عذاب دید

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا؟
اَبھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے!

ترتیب

غزلیں ، نظمیں

انتساب

وہ بھی کیا دِن تھے کہ پَل میں کر دیا کرتے تھے ہم
عُمر بھر کی چاہتیں، ہر ایک ہرجائی کے نام

وہ بھی کیا موسم تھے جن کی نِکہتوں کے ذائقے
لِکھ دیا کرتے تھے خال و خد کی رعنائی کے نام

وہ بھی کیا صُبحیں تھیں جن کی مُسکراہٹ کا فسوں
وقف تھا اہلِ وفا کی بزم آرائی کے نام

وہ بھی کیا شامیں تھیں جن کی شُہرتیں منسوب تھیں
بے سبب کُھلتے ہوئے بالوں کی رُسوائی کے نام

اَب کے وہ رُت ہے کہ ہر تازہ قیامت کا عذاب
اپنے دِل میں جاگتے زخموں کی گہرائی کے نام

اَب کے اپنے آنسوؤں کے سب شکستہ آئینے
کُچھ زمانے کے لئے، کُچھ اپنی تنہائی کے نام

امر بیل کی چھاؤں میں

مُجھے معلُوم ھے کہ

میں اِس بے چہرہ عہد کی ریزہ ریزہ خواہشوں اور کٹی پھٹی خراشوں میں بکھرا ہوا ایک ایسا فنکار ہوں جس کے ہونٹوں پر حرف حرف پیاس جم گئی ہے۔ میرے خدوخال آئینے سے شرمندہ ہیں کہ دھندلے پڑ چکے ہیں:

مُجھے احساس ھے کہ

میں گزشتہ زمانوں کی راکھ سے آئیندہ محبّتوں کا سُراغ لگا رہا ہوں، حلانکہ راکھ کے ڈھیر تلے دبی چنگاریاں اپنے آپ کو بے اماں سمجھ کر دم توڑنے میں ہمیشہ جلدی کرتی ہیں۔

مجھے یقین ھے کہ

میں جسے متاعِ حیات سمجھ کر پرستش کے قرینے سوچتا رہا وہ محبت نہیں کُچھ اور تھی، مگر یہ جانتے ہوُئے بھی کہ یہ سب کُچھ سرابِ نظر ہے مَیں نے ہمیشہ آنکھیں بند کر کے احساسِ خُود فریبی کی پرورش کی ہے.....کہ

خواب کو خواب سمجھ کر دیکھنا بھی اضطرابِ نارسائی کی تسکین کا باعث ہوتا ہے:

کتنی عجیب بات ھے کہ

میں نے دوسروں کو سمجھنے کی کوشش میں اپنا آپ گنوا ڈالا۔ اور اب رائیگاں چاندنی یا اپنی طرح شہر بدر ہوا کے خاک بسر جھونکے کبھی کبھی میرے حواس کو میری خبر دیتے ہیں:

میرا کوئی شھر نھیں کہ

سارے شہر میرے اپنے شہر ہیں..... ہر دل کی دُکھن میری شہ رگ کا اثاثہ اور ہر سینے کا زخم میرے وجود کا سرمایہ ہے۔ مقتل کو سجانے والا ہر سرکشیدہ میرے قبیلے کا فرد اور ہر سر بُریدہ مظلوم میرے لشکر کے سردار کی حیثیت رکھتا ہے، میری سوچ میرے جیسے ہر انسان کی وراثت ہے.....میری شاعری کسی ایک خطّے کی آب و ہوا کے حصار میں اسیر نہیں، نہ ہی کسی ایک فرد کے فِکر و عمل کی عکاّس ہے بلکہ جہاں جہاں امن کی خوشبو، فاختاؤں سے اٹی فضا، انمول محبت کے سائے اور چاہتوں کے آبشار نغمے برسا رہے ہیں وہاں وہاں میری غزلوں کی دھنک، میری نظموں کی رعنائیاں اور میرے مرثیوں کی کسک اپنی بازگشت سمیت پھیلنے اور بکھرنے کے عمل میں مصروف ہے:

اور شاید اسی لئے

کبھی کبھی تو ناشناسائی کے گھنے جنگلوں میں ضدّی بارشیں تک میری

سوچوں کو نہلا دیتی ہیں۔ اس کی ایک نفسیاتی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ

وہ سَر سے پاؤں تلک

دھنک، دھوپ، چاندنی ہے!

دُھلے دُھلے موسموں کی بے ساختہ

غزل بخت شاعری ہے!!

(مرے ہنر کے سبھی اثاثوں سے قیمتی ہے)

وہ مجھ میں گُھل مل گئی ہے لیکن

ابھی تلک مجھ سے اجنبی ہے،

کسی اُدھوری گھڑی میں

جب جب وہ بے ارادہ محبتوں کے

چھُپے چھُپے بھید کھولتی ہے!

تو دل یہ کہتا ہے

جس کی خاطر وہ اپنی ''سانسیں''

وفا کی سُولی پہ تولتی ہے

وہ آسماں زاد، کہکشاں بخت۔۔۔(کچھ بھی کہہ لو۔۔!)

جو اُس کی چاہت کا ''آسرا'' ہے

وہ ''میں'' نہیں ہوں

کوئی تو ہے جو مرے سوا ہے!

وہ شہر بھر کے تمام ''چہروں'' سے ہٹ کے

اِک ''اور مہرباں'' ہے

جو اُس کی خواہش کا ''آسماں'' ہے

(کسے خبر کون ہے، کہاں ہے؟)

مگر مجھے کیا؟

کہ میں زمیں ہوں!

وہ جس کی چاہت میں اپنی سانسیں لٹا رہی ہے

وہ "میں" نہیں ہوں!

وہ آنکھوں آنکھوں میں بولتی ہے!!

منگل ۲۴ اکتوبر

دوپہر ۴۰۔۲ بجے

لاہور

☆

ہر گھڑی رائیگاں گُزرتی ہے
زندگی اَب کہاں گُزرتی ہے؟

درد کی شام --- دشتِ ہجراں سے
صُورتِ کارواں گُزرتی ہے!!

شَب گراتی ہے بجلیاں دِل پر
صبح آتش بَجاں گُزرتی ہے!

زخم پہلے مہکنے لگتے تھے ---!
اب ہَوا بے نشاں گُزرتی ہے

تُو خفا ہے تو دِل سے یاد تری
کس لیے مہرباں گُزرتی ہے؟

اپنی گلیوں سے اَمن کی خواہش
تن پہ اوڑھے دُھواں گُزرتی ہے

مسکرایا نہ کر کہ محسنؔ پر
یہ "سخاوت" گراں گُزرتی ہے!

☆

سُکھ کا موسم خیال و خواب ہُوا ۔۔۔!
سانس لینا بھی اَب عذاب ہُوا ۔۔۔!

آنکھوں آنکھوں پڑھا کرو جذبے
چہرہ چہرہ کھُلی کتاب ہُوا ۔۔۔!

روشنی اُس کے عکس کی دیکھو
آئینہ شب کو آفتاب ہُوا

اِک فلک ناز کی محبت میں
مَیں ہوَاؤں کا ہمَرکاب ہُوا

عدل پَرور، کبھی حِساب تو کر!
ظُلم کِس کِس پہ بے حساب ہُوا؟

کون موَجوں میں گھولتا ہے لہُو
سُرخرُو کِس لیے چناب ہُوا

کس کے سَر پر سِناں کو رشک آیا۔
کون مقتل میں کامیاب ہُوا؟

اَب کے ہجراں کی دُھوپ میں محسؔن
رنگ اُس کا بھی کچھ خراب ہُوا!!!

جاگتے سوتے!

نیم شب کا اُجاڑ سنّاٹا۔!
خواب آلودٗ بے صَدا رستے
تیرگی سے اَٹی ہوئی گلیاں'
کھردرے' سخت' بے چراغ کواڑ
سہمی سہمی ہوَا کی دَستک سے
سانس لیتے ہیں' بے حواسی میں
پیڑ پر چند زرد رُو پتّے۔!
ٹوٹتے ہیں ۔۔۔ زمیں پہ گرتے ہیں
(جیسے بے شکل چاپ پر اکثر
کوئی بیمار دِل دھڑکتا ہے)
ایسی تنہائیوں میں بھی اب تک
میں ترے نام جاگتے سوتے!
خیریت کے خطوط لکھتا ہوں!!

اتوار ۲۹اکتوبر ۱۹۹۵ءِ
رات بارہ بجے' ہوٹل پی۔سی لاہور

بھکارن

اِک بھکارن!
شہر کے مصروف چوراہے کی اندھی بھیڑ میں
اپنے فاقوں سے اَٹی خواہش کی ضِد پر
بیچنے آئی ہے
اپنی نوجوانی کا غُرور!
توڑنے آئی ہے بے صُورت اَنا کے آئنے
بے حنا ہاتھوں میں پھیلائے ہوئے
بس ''چند لمحے'' زندہ رہنے کا سوال!
''چند لمحے'' جن کا ماضی ہے نہ حال۔۔!!
آنکھ میں بجھتی ہُوئی اک مَوجِ نُور
تن پہ لپٹے چیتھڑوں کی سِلوٹوں میں
سانس لیتے واہمے!
دَم توڑتا احساس، لَو دیتا شعور!!

زندگی کے دو کنارے۔۔۔چار سُو!
اک طرف ہنگامۂ اہلِ ہوَس۔۔اِک سمت ''ھوُ''
کس قدر مہنگی ہیں ''باسی روٹیاں''
کتنی سستی ہے ''متاعِ آبرُو''
اے خُدائے ''کاخ و کوُ''

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء
ایک بجے شب
ہوٹل پی۔سی لاہور

سفر سے لَوٹ آیا ہوں

سفر سے لَوٹ آیا ہوں

مگر اَب کے

اگر چہ شہر میرا ہے

وُہی رستے وہی گلیاں، وہی مانوس چہرے ہیں

سبھی چہرے سبھی آنکھیں شناسا ہیں

سبھی ہونٹوں پہ اَب تک ایک جیسی مُسکراہٹ ہے

وہی شامیں اُنہی شاموں میں صبحوں کی

وہی مانوس آہٹ ہے

وہی کچّے مکاں جن کی مکیں میری محبت کا اثاثہ ہیں

وہی افلاس کی کچلی ہوئی سڑکیں

کہ جن میں بارشوں کے چند چھینٹے گر برس جائیں

تو ہفتوں دُھوپ کی حِدّت وہاں ٹھہرے ہوئے پانی میں

صبح و شام کرتی ہے!

(وہیں آرام کرتی ہے)

اگرچہ شہر میرا ہے

مگر میں اجنبی آنکھیں لیے

ہر سمت آوارہ فضا میں ڈھونڈتا ہوں

بے سبب اِک آشنا چہرہ

شناسا لب، مرے ہمراہ شب بھر بولتی آنکھیں

وہ آنکھیں جن کی ساری گفتگو
اب کے سفر میں چھوڑ آیا ہوں،
وہ ساری گفتگو جس کے سبھی حرفوں کے شیشے
رہگزر میں توڑ آیا ہوں

وہ آنکھیں چھوڑ آیا ہوں
مگر اُن میں بھری نیندیں مری نَس نَس میں ہنستی ہیں
مجھے اپنی طرف واپس بُلاتی ہیں،
کہ ''لوٹ آؤ۔۔
تمھارے بعد اس ''بستی'' کی رَونق
بے چراغاں ہے''

اگرچہ شہر میرا ہے۔۔
مگر اَب کے تو۔۔
جیسے میرے چہرے پر تمھاری بولتی آنکھوں کی حیرانی
مجھے رُکنے نہیں دے گی،
مجھے خود اپنی مُدّت کے شناسا، دلنشیں چہرے
اچانک چھوڑنا ہوں گے،
تمھارے ساتھ پیاں جوڑنے کی سرسری ساعت سے ملنے تک
خود اپنے آپ سے جاناں
روابط توڑنے ہوں گے!

اگرچہ شہر میرا ہے!!

☆

آدمی جلتا دیا ہے اور بس!
سانس آوارہ ہَوا ہے اور بس!!

موت بے آفاق صدیوں کا سَفر
زندگی زنجیرپا ہے اور بس!!

نارَسائی ' اس قدر برہم نہ ہو
لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے اور بس!

اَور ۔ میں رُوٹھا ہوں اپنے آپ سے
اور ۔ تُو مجھ سے خَفا ہے اور بس!!

یا نگاہوں میں ہے رنگوں کا ہجوُم
یا ترا بَندِ قُبا ہے اور بَس!

اُس طرف طغیانیوں پر ہے چناب
اِس طرف کچّا گھڑا ہے اور بس!!

دِل مثالِ دشت بے نقش و نگار
اُس مُن تیرا نقشِ پا ہے اور بس!!

شامِ غم میں تیرے ہاتھوں کا خیال!
شعلۂ رنگِ حنا ہے اور بس!!

اُس کے میرے فاصلے محسؔن نہ پُوچھ
رنگ سے خوشبو جُدا ہے اور بس!!

☆

ہے کِس کا عکس دِل کے قریں، چار سُو ہے کون؟
گردِ گُماں چھَٹے تو کھُلے رُوبرُو ہے ــ کون؟

کس کے بدن کی دُھوپ نے لہریں اُجال دیں؟
اے عکسِ ماہتاب تہِ آب جُو ہے کون؟

کیا جانے سَنگ بار ہُوا کُوئے یار کی
پیوند کِس قبا میں لگے، بے رفُو ہے کون؟

نوکِ سِناں پہ کیوں نہ سجے اپنی سرکشی
جُز شہرِ یار شہر میں اپنا عدُو ہے کون؟

اے مصلحت کی تیز ہوَا، جُز غریب شہر
اِس شہرِ ننگ و نام میں بے آبرو ہے کون؟

پَلکوں پہ کون چُنتا ہے رُسوائیوں کی دُھول
رُسوا ہمارے ساتھ یہاں کُو بکُو ہے کون؟

محسنؔ اَب اپنا آپ بھلایا ہے اس طرح
مجھ سے خُود اپنے عکس نے پُوچھا کہ "تُو ہے کون؟"

دل دُکھتا ہے

جب زخم دہکنے والے ہوں
اور خوشبو کے پیغام ملیں
اور اپنے دریدہ دامن کے
جب چاک سلیں
دل دُکھتا ہے

جب آنکھیں خود سے خواب بُنیں
خوابوں میں بسرے چہروں کی
جب بھیڑ لگے
اس بھیڑ میں جب تُم کھو جاؤ
دل دُکھتا ہے

جب حبس بڑھے تنہائی کا
جب خواب جلیں، جب آنکھ بُجھے
تم یاد آؤ
دل دُکھتا ہے

☆

رہینِ خوف نہ وقفِ ہراس رہتا ہے
مگر یہ دل ہے کہ اکثر اُداس رہتا ہے

یہ سانولی سی فضائیں یہ بے چراغ نگر!
یہیں کہیں وہ ستارہ شناس رہتا ہے

اُسی کو اوڑھ کے سوتی ہے رات خود پہ مگر،
وہ چاندنی کی طرح بے لباس رہتا ہے

میں کیا پڑھوں کوئی چہرہ کہ میری آنکھوں میں،
ترے بدن کو کوئی اقتباس رہتا ہے

کہاں بھلایئے اُس کو کہ وہ بچھڑ کے سَدا
خیال بن کے مُحیط حواس رہتا ہے

بھٹک بھٹک کے اُسے ڈھونڈتے پھرو محسنؔ،
وہ درمیان یقین و قیاس رہتا ہے!!

☆

اَبر برسا نہ ہَوا تیز چلی ہے اب کے
کتنی ویراں تری یادوں کی گلی ہے اب کے

صبح کی دُھوپ اُتر آئی مِرے بالوں میں
شب ڈھلی ہے کہ مری عُمر ڈھلی ہے اب کے

کیا کہوں کتنے بہانوں سے بھلایا ہے اُسے
یہ قیامت بڑی مشک سے ٹلی ہے اب کے

یہ کیا کہ تُہمتیں آتش فشاں کے سَر ائیں ؟
زمیں کو یوں بھی خزانہ کبھی اُگلنا تھا

میں لغزشوں سے اَٹے راستوں پہ چل نکلا
تجھے گنا کے مجھے پھر کہاں سنبھلنا تھا

اُسی کو صبحِ مسافت نے چور کر ڈالا
وہ آفتاب جسے دوپہر میں ڈھلنا تھا

عجب نصیب تھا محسنؔ کہ بعدِ مرگ مجھے
چراغ بن کے خود اپنی لحد پہ جلنا تھا

☆

دِن تو یوُں بھی لگے عذاب عذاب
خوفِ شبخوں سے شب کو خواب عذاب

اور کیا ہے متاعِ تشنہ لبی؟
دُھوپ، صحرا، تھکن، سراب، عذاب

کس کو چاہیں، کِسے بھلا ڈالیں؟
دوستی میں ہے انتخاب عذاب

حسرتِ دید کی جزا، ہجرت!
خواہشِ وصل کا ثواب، عذاب

کہیں تو سانس لے تھک کر ہجومِ آبلہ پائی،
کبھی تو حلوہ گردِ سفر، منزل ٹھہر جائے

کوئی حرفِ ملامت ہو کہ زنجیرِ دُعا چھنکے؟
کسی آواز پر تو بے صدا سائل ٹھہر جائے

کہاں کے قیس تھے ہم بھی مگر اتنا غنیمت ہے
کہ دشتِ خواب میں اکثر ترا محمل ٹھہر جائے

بچھڑ کر بھی وہ چہرہ آنکھ سے ہٹتا نہیں محسنؔ
کہ جیسے جھیل میں عکسِ مہِ کامل ٹھہر جائے

☆

کہاں یہ بس میں کہ ہم خود کو حوصلہ دیتے
یہی بہت تھا کہ ہر غم پہ مسکرا دیتے

ہوا کی ڈور اُلجھتی جو اُنگلیوں سے کبھی
ہم آسماں پہ ترا نام تک سجا دیتے!

ہمارے عکس میں ہوتی جو زخمِ دِل کی جھلک
ہم آئینے کو بھی اپنی طرح رُلا دیتے!

ہم سادہ دِلوں نے دُشمنی سے
مفہوم تو دوستی لیا تھا

بُجھتی ہوئی رات سے بھی ہم نے
سرمائیہ روشنی لیا تھا

اَب اُس کو گنوا کے ڈھونڈتے ہیں
ہمراہ جِسے کبھی لیا تھا!

اُتری ہے وہی نگاہ دِل میں،
ہم نے جسے سرسری لیا تھا

بازارِ وفا سے ہم نے محسنؔ
اِک زخم تو قیمتی لیا تھا

☆

ہم تو بیٹھے تھے رہگذار میں گُم
قافلے ہو گئے غُبار میں گُم

ایک پیماں شِکن سے کیا شکوہ؟
ہم رہے اپنے اعتبار میں گُم

جب تلک آئینہ مقابل تھا
اُس کی آنکھیں رہیں خُمار میں گُم

ہم سے مت پُوچھ کب رُتیں بدلیں
ہم رہے اُس کے انتظار میں گُم

پھر ترے پیرہن کی یاد آئی۔!
پھر ہُوئے ہم بھری بہار میں گُم!!

کیا خبر کب ہُوئی ہے یاد اُس کی
دل کے اُجڑے ہُوئے دیار میں گُم

کتنے یاروں کے کاروں محسؔن!
ہو گئے گردِ روزگار میں گُم!!

☆

ہمارے بعد چلی رسم دوستی کہ نہیں؟
ہوا کی زد پہ کوئی شمع پھر جلی کہ نہیں

بچھڑ کے جب بھی ملے مجھ سے پوچھتا ہے وہ شخص
کہ ان دنوں کوئی تازہ غزل ہوئی کہ نہیں؟

سُنا ہے عام تھی کل شب کو چاند کی بخشش
بُجھے گھروں میں ابھی اُتری ہے چاندنی کہ نہیں؟

نکل کے جس سے ہوا اپنا درد آوارہ ۔۔!
کسی کے دل میں وہ محفل بھی پھر سجی کہ نہیں؟

وہ رہگذر جو اندھیروں میں سانس لیتی تھی!
تمہارے نقشِ قدم سے چمک اُٹھی کہ نہیں؟

دیارِ ہجر سے آئے ہو، کچھ کہو محسن!
کہ شامِ غم بھی کسی موڑ پر ملی کہ نہیں؟

ہوَا اُس سے کہنا

ہوَا!

صُبحدم اُس کی آہستہ آہستہ کھُلتی ہُوئی آنکھ سے

خواب کی سیپیاں چُننے جائے تو کہنا

کہ ہم جاگتے ہیں!

ہوَا اُس سے کہنا

کہ جو ہجر کی آگ پیتی رُتوں کی طنابیں

رگوں سے اُلجھتی ہوئی سانس کے ساتھ کس دیں

اُنہیں رات کے سُرمئی ہاتھ خیرات میں نیند کب دے سکے ہیں؟

ہوَا' اُس کے بازو پہ لکھّا ہوا کوئی تعویذ باندھے تو کہنا

کہ آوارگی اوڑھ کر سانس لیتے مسافر

تجھے کھوجتے کھوجتے تھک گئے ہیں'

ہوَا اُس سے کہنا

کہ ہم نے تجھے کھوجنے کی سبھی خواہشوں کو

اُداسی کی دیوار میں چُن دیا ہے

ہوَا اُس سے کہنا

کہ وحشی درندوں کی بستی کو جاتے ہوئے راستوں پر

ترے نقشِ پا۔۔۔دیکھ کر

ہم نے دِل میں ترے نام کے ہر طرف

اِک سیہ ماتمی حاشیہ بُن دیا ہے

ہوَا اُس سے کہنا

ہوَا کچھ نہ کہنا۔۔۔!

ہوَا کچھ نہ کہنا۔۔۔!!!

یہ عجیب فصلِ فراق ہے

یہ عجیب فصلِ فراق ہے!

کہ نہ لب پہ حرفِ طلب کوئی

نہ اداسیوں کا سبب کوئی

نہ ہجوم درد کے شوق میں۔!

کوئی زخم اَب کے ہَرا ہوا

نہ گماں بدست عدُو ہوُئے

نہ ملامتِ صفِ دوستاں

پہ یہ دل کسی سے خفا ہوُا

کوئی تار اپنے لباس کا

نہ ہوا نے ہم سے طلب کیا

سرِ رہگذار وفا بڑھی

نہ دیا جلانے کی آرزو

پئے چارۂ غمِ دوجہاں
نہ کوئی مسیح نہ چارہ گر
نہ کسی خیال کی جستجو
نہ خلش کسی کے وصال کی
نہ تھکن رہِ مہ و سال کی
نہ دماغِ رنجِ رُخِ بُتاں!
نہ تلاشِ لشکرِ ناصحاں!!

وہی ایک حال ہے ضبط کا
وہی ایک چال ہے دہر کی
وہی ایک رنگ ہے شوق کا
وہی ایک رسم ہے شہر کی
نہ نظر میں خوف ہے رات کا
نہ فضا میں دن کا ہراس ہے
پئے عرضِ حالِ سُخن وراں
وہی ہم سُخن ہے رفیقِ جاں
وہی ہم سُخن جسے دل کہیں
وہ تو یوُں بھی کب کا اُداس ہے

☆

شب کو جب کبھی میں نے اپنی جستجو کی ہے
بے صدا درختوں نے تیری گفتگو کی ہے

دل کی ضِد جو ٹھہری ہے اب تو اُس کو پانا ہے
فِکر زندگی چھوڑو، بات آبرو کی ہے!

پوچھ تیغِ قاتِل سے، مقتلوں کے میلے میں
ہم نے کس کو ڈھونڈا ہے، کس کی آرزو کی ہے؟

رات، دُور بیٹھی ہے اِک ضعیف ماں بن کر
ہر جوان لاشے پر اِک رِدا لہُو کی ہے!

جس کو زرد کر ڈالا دُھوپ کی سخاوت نے
شاید اُس کلی نے بھی خواہش نمُو کی ہے!

اے نمازیو ٹھہرو، دِل کو زخم سہنے دو
کچھ لہُو تو بہنے دو، یہ گھڑی وضُو کی ہے!

جس کو عُمر بھر پُوجا اب اُسے گنوا بیٹھ
ہم نے یہ بغاوت بھی اُس کے رُوبرُو کی ہے!

اپنا جُرم ثابت ہے، تم سزا سُنا دینا
سر کہیں سجا دینا، ہر سِناں عدُو کی ہے!

دیکھنا کہیں محسنؔ کچھ نشاں نہ پڑ جائے
عکس اُس کے چہرے کا، موج آبجُو کی ہے!

☆

تجھے اُداس بھی کرنا تھا خود بھی رونا تھا
یہ حادثہ بھی مری جاں کبھی تو ہونا تھا

نموُ کا رنج نہ اَبرِ گریزپا سے مَلال!
کہ مجھ کو بانجھ زمینوں میں بیج بونا تھا

کیا کہ گردِ رَہِ رَفتگاں کو اوڑھ لیا
کفن کا داغ بدن کے لہُو سہ دھونا تھا

جو داستاں اُسے کہنا تھی پھر نہ گُفتہ رہی،
کہ میں بھی تھک سا گیا تھا، اُسے بھی سونا تھا

میں تختِ ابر پہ سویا تھا رات بھر محسنؔ
کھلی جو آنکھ تو صحرا مِرا بچھونا تھا

☆

ہم سے مت پوچھو راستے گھر کے
ہم مسافر ہیں زندگی بھر کے

کون سُورج کی آنکھ سے دن بھر
زخم گنتا ہے شب کی چادر کے

صُلح کر لی یہ سوچ کی میں نے
میرے دشمن نہ تھے برابر کے

خود سے خیمے جلادیئے میں نے
حوصلے دیکھنا تھے لشکر کے

یہ ستارے یہ ٹوٹتے موتی!
عکس ہیں میرے دیدۂ تر کے

گر جنوں مصلحت نہ اپنائے
سر سے رشتے بہت ہیں پتھر کے

ہم بھی چُنتے تھے سیپیاں اکثر
ہم بھی مقروض ہیں سمندر کے

آنکھ کے گرد ماتمی حلقے
سائے جیسے جلے ہُوئے گھر کے

دوستوں کی زباں تو کھلنے دو
بھول جاؤ گے زخم خنجر کے

چاند بھی زرد پڑ گیا آخر
اُجڑے آنگن میں روشنی کر کے

آنکھ نم بھی کرو تو بس اتنی
رنگ پھیکے پڑیں نہ منظر کے

کجکلا ہوں سے لڑ گئے محسنؔ
ہم بھکاری حُسینؑ کے دَر کے

☆

لُٹتے کہاں کہ صاحبِ جاگیر ہم نہ تھے
نُورِ جہاں نہ تھی وہ' جہانگیر ہم نہ تھے

اپنی دُعا سے ماند نہ پڑتا کسی کا حُسن!
اِتنے بڑے تو صاحبِ تاثیر ہم نہ تھے

ملتا رہا وہ خواب میں کتنے خلوص سے
آنکھیں کھلیں تو خواب کی تعبیر ہم نہ تھے

ہم کو نہ دے پیامِ رہائی ہوائے صبح۔!
وجہ خروشِ خانۂ زنجیر ہم نہ تھے

یا شامِ قتل ہم نے بجھایا نہ تھا چراغ!
یا وارثانِ جذبۂ شبیرؑ ہم نہ تھے

ہر دورِ بے صدا میں ہر اِک ظلم کے خلاف
ہم کو ہی بولنا تھا کہ تصویر ہم نہ تھے

سب اہلِ شہر پھر درِ دشمن پہ جھک گئے
محسنؔ کھلا کہ شہر کی تقدیر ہم نہ تھے

☆

صُحبتِ یادِ رفتگاں کب تک
دیکھیئے گردِ کارواں کب تک؟

زخم آخر کو بھر ہی جائے گا
مرہمِ حرفِ مہرباں کب تک؟

تن پہ کب تک ہے خاک کا ملبوس
سر پہ محرابِ آسماں کب تک

آؤ خرمن کو خوُد جلا ڈالیں
منّت برقِ بے اماں کب تک

کوئی موسم تو کھُل کے اُترے بھی
دل کی بستی دُھواں دُھواں کب تک

وہ یقیں ہے تو مجھ پہ افشا ہو۔۔!
میں رہوں خود سے بدگُماں کب تک

ہم جراحت سرشت کیا پوُچھیں؟
دست اعداٗ میں ہے کماں کب تک

درد جسموں کو چاٹ لیتے ہیں
زلزلوں سے بچیں مکاں کب تک

اب کسی کے تو ہو رہو محسنؔ
دولتِ دل ہو رائیگاں کب تک

وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے

بہت دِنوں سے
وہ شاخِ مہتاب کٹ چکی ہے
کہ جس پہ تُم نے گرفتِ وعدہ کی ریشمی شال کے
ستارے سجا دیئے تھے

بہت دنوں سے
وہ گردِ احساس چھٹ چکی ہے
کہ جس کے ذرّوں پہ تُم نے
پلکوں کی جھالروں کے تمام نیلم لُٹا دیئے تھے!
اور اب تو یوُں ہے کہ جیسے
لب بستہ ہجرتوں کا ہر ایک لمحہ
طویل صدیوں کو اوڑھ کر سانس لے رہا ہے

اور اب تو یوں ہے کہ جیسے تُم نے
پہاڑ راتوں کو
میری اندھی اجاڑ آنکھوں میں
ریزہ ریزہ بسا دیا ہے

کہ جیسے میں نے
فِگارِ دِل کا ہُنر اثاثہ
کہیں چھپا کر بھُلا دیا ہے!
اور اَب تو یوں ہے کہ

اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر

مرے بدن پر سجے ہوئے آبلوں سے بہتا لہُو نہ دیکھو

(مجھے کبھی سرخرو نہ دیکھو)

نہ میری یادوں کے جلتے بجھتے نشاں کُریدو!

نہ میرے مقتل کی خاک دیکھو

اوراب تو یوُں ہے کی

اپنی آنکھوں کے خواب

اپنے دریدہ دامن کے چاک دیکھو!

کہ گردِ احساس چھَٹ چُکی ہے

کہ شاخِ مہتاب کٹ چُکی ہے!!

اب سوجاؤ

کیوں رات کی ریت پہ بکھرے ہوئے

تاروں کے کنکر چُنتی ہو؟

کیوں سنّاٹے کی سلوٹ میں

لپٹی آوازیں سنتی ہو؟

کیوں اپنی پیاسی پلکوں کی جھالر میں

خواب پروتی ہو؟

کیوں روتی ہو؟

اب کون تمہاری آنکھوں میں

صدیوں کی نیند اُنڈ یلے گا؟

اَب کون تمہاری چاہت کی

ہریالی میں کھُل کھیلے گا؟

اَب کون تمہاری تنہائی کا

اَن دیکھا دُکھ جھیلے گا؟

اَب ایسا ہے۔۔۔!

یہ رات مسلّط ہے جب تک
یہ شمعیں جب تک جلتی ہیں
یہ زخم جہاں تک چبھتے ہیں
یہ سانسیں جب تک چلتی ہی

تم اپنی سوچ کے جنگل میں رَہ بھٹکو اور پھر کھو جاؤ۔۔!!

اب سو جاؤ۔۔۔!!

☆

بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
صحرا مِرا چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں

پھر کون بھلا دادِ تبسّم اُنہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں

خالی جو ہوئی شامِ غریباں کی ہتھیلی
کیا کیا نہ لُٹاتی رہیں گوہر تیری آنکھیں

بوجھل نظر آتی ہیں بظاہر مجھے لیکن
کھلتی ہیں بہت دِل میں اُتر کر تیری آنکھیں

اب تک میری یادوں سے مٹائے نہیں مٹتا
بھیگی ہوئی اِک شام کا منظر، تیری آنکھیں

ممکن ہو تو اِک تازہ غزل اور بھی کہہ لوں،
پھر اَوڑھ نہ لیں خواب کی چادر، تیری آنکھیں

میں سنگ صِفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

یوں دیکھتے رہنا اُسے اچھا نہیں محسنؔ
وہ کانچ کا پیکر ہے تو پتھّر، تیری آنکھیں

☆

گنو نہ زخم نہ دِل سے اَذّیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نیّتیں پوچھو

ہوا کی سَمت نہ دیکھو' اُسے تو آنا ہے
چراغِ آخر شب سے وصیّتیں پوچھو

اُجڑ چُکے ہو تو اب خُود پہ سوچنا کیسا؟
کہا تھا کس نے کہ اُس کی مشیّتیں پوچھو

سناں پہ سج گئے لیکن جھکے نہ سر اپنے
ستمگروں سے ہماری حمیّتیں پوچھو

ہزار زخم سہو پھر بھی چُپ رہو محسنؔ
نہیں ضُرور کہ یاروں کی نیّتیں پوچھو

☆

ہجر کی شام دھیان میں رکھنا
اک دیا بھی مکان میں رکھنا

آئینے بیچنے کو آئے ہو!
چند پتّھر دُکان میں رکھنا

اَے زمیں حشر میں بھی ماں کی طرح
مجھ کو اپنی اَمان میں رکھنا

تیر پلٹے تو دِل نہ زخمی ہو ۔۔!
یہ ہنر بھی کمان میں رکھنا

ایک دُنیا یقیں سے روشن ہو
ایک عالم گُمان میں رکھنا

خود پہ جب بھی غزل سنو مجھ سے
آئینہ درمیان میں رکھنا

دل سے نکلے نہ یاد قاتل کی؛
یہ شکاری مچان میں رکھنا

جب زمیں کی فضا نہ راس آئے
آسماں کو اُڑان میں رکھنا

مرثیہ جب لکھو بہاروں کا
زخم کوئی زبان میں رکھنا

خود بھی وہموں کے جال میں رہنا
اُس کو بھی امتحان میں رکھنا

اِتنی رُسوائیاں بھی کیا محسنؔ؟
کچھ بھرم تو جہان میں رکھنا

☆

جب بھی دُہرائے فسانے دل کے
جاگ اُٹھے زخم پُرانے دل کے

ہم سے ملنا ہے تو گُھل مِل کیملو
بیت جائیں نہ زمانے دل کے

اُس سے مِل کر بھی نہ ملنا اُس سے
یاد آتے ہی بہانے دل کے

مسکراتی ہوئی آنکھوں والے
لوُٹ لیتے ہیں خزانے دل کے

ہم نے کب اُس کو نہ چاہا محسنؔ؟
ہم نے کب قول نہ مانے دل کے!!

☆

کب تلک اپنی تپش میں آپ جلنا ہے تجھے
دوپہر کی دُھوپ تُو، آخر کو ڈھلنا ہے تجھے

سانس، چُھبتی کرچیوں کا بے نہایت راستہ
اور اس پر زندگی بھر تیز چلنا ہے تجھے

تجھ سے پیماں باندھتا تھا اور یہ سوچا نہ تھا
اپنی آنکھوں کی طرح ہر پل بدلنا ہے تجھے!

رنگ مہندی کے ہوں یا تتلی کے، اَوروں کے نصیب
ہاتھ کی پھیکی لکیروں سے بہلنا ہے تجھے

رات بھر کی بات ہے، خود کو تمازت سے بچا
دِن چڑھے پھر برف کی صورت پگھلنا ہے تجھے

خیروشر میں فیصلے کا وقت ہے، ترکش سنبھال
اپنے لشکر سے مثالِ حُرؑ نکلنا ہے تجھے

ریشمی رِشتوں سے محسنؔ اتنا بے پَروا نہ ہو
لغزشوں کی بھیڑ میں آخر سنبھلنا ہے تجھے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی بنجر آنکھوں میں
خوابوں کی گیلی قبروں پر
سکھیوں نے راکھ بکھیری تھی

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے بکھرے بالوں میں
بستی کے نیک عزیزوں نے
نمناک لبوں سے چھڑکا تھا
سیندور اُداس دُعاؤں کا

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کے اُجلے ہاتھوں میں
اِک جال بُنا محرومی کا
مہندی کی زرد لکیروں نے
جب اُس کے کُندن ماتھے پر
جھومر کا رُوپ رچایا تھا
بے قیمت ضبط کے ہیروں نے

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اُس کی آنکھیں پوُچھتی تھیں
یہ کون قیامت آئی ہے؟

بارات میں شامل چہروں میں
احساس کے قاتل کتنے ہیں؟
اور کون کسی کا بھائی ہے؟
کیوں سانسیں رُکتی جاتی ہیں
کیوں نبضیں تیز دھڑکتی ہیں
یہ کون قیامت آئی ہے؟
یہ درد شعائیں دیتا ہے
چیخیں ہیں مرتے خوابوں کی
یا دُور۔۔۔کوئی شہنائی ہے؟

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اس کی آنکھیں پوچھتی تھیں
وہ لوگ بھی کتنے اچھّے تھے!
جو اپنی چاند سی بیٹی کو
سانسوں کی اُجلی چادر میں
لپٹا کر خود دفنا دیتے
پھر اس کی یاد بھلا دیتے

وہ پوچھتی تھی سب سکھیوں سے
وہ لوگ کہاں آباد ہیں اب؟
جو وقت کا شجرہ لکھتے تھے
اور شجرہ ایسی نسلوں کا
جو اندھی آنکھ میں خوابوں کی
تعبیر سجایا کرتی تھیں۔۔۔
پھر ہنستے ہنستے کہتی تھی!

وہ لوگ کسی کو یاد نہیں
وہ لوگ کہیں آباد نہیں

وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب اس کے سُندر چہرے پر
زرداب رُتوں کی تنہائی
بکھری تو غازہ لگتی تھی!
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟
جب سیج جنازہ لگتی تھی!!

اَب اُس کے سُونے آنگن میں
مرُجھائی ہوُئی کچھ بیلوں کو'
اک تتلی چومنے آتی ہے۔۔۔
اَب اُس کے خالی کمرے میں
بکھرے ہوئے سوُکھے پھولوں کو
پاگل وحشی' مُنہ زور ہَوا!
بے وجہ اُڑا لے جاتی ہے
اور اُس کی سکھیاں سوچتی ہیں
جیسے کُہسار کے سینے میں
اک قیمتی چیز گنوا آئیں
اک میّت کو دفنا آئیں
وہ لمحہ کیسا لمحہ تھا؟

اگر تم آئنہ دیکھو

اگر تُم آئنہ دیکھو
تو اپنے آپ سے نظریں چُرا لینا
کہ اکثر بے وفا لوگوں کو
جب وہ آئنہ دیکھیں تو
آنکھیں چور لگتی ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں

جب آنکھ میں خواب دمکتے تھے
جب دِل میں داغ چمکتے تھے
جب پلکیں شہر کے رستوں میں
اشکوں کا نُور لُٹاتی تھیں
جب سانسیں اُجلے چہروں کی
تن من میں پھُول سجاتی تھیں
جب چاند کی رِم جھِم کرنوں سے

سوچوں میں بھنور پڑ جاتے تھے
جب ایک تلاطم رہتا تھا۔!
اپنے بے انت خیالوں میں
ہر عہد نبھانے کی قسمیں
خط، خون سے لکھنے کی رسمیں
جب عام تھیں ہم دل والوں میں
اب اپنے پھیکے ہونٹوں پر
کچھ جلتے بجھتے لفظوں کے
یاقُوت پگھلتے رہتے ہیں

اَب اپنی گُم سُم آنکھوں میں
کچھ دھول ہے بکھری یادوں کی
کچھ گرد آلود سے موسم ہیں
اَب دُھوپ اُگلتی سوچوں میں
کچھ پیماں جلتے رہتے ہیں
اب اپنے ویراں آنگن میں
جتنی صُبحوں کی چاندی ہے
جتنی شاموں کا سونا ہے
اُس کو خاکستر ہونا ہے

اب یہ باتیں رہنے دیجے
جس عُمر میں قصّے بُنتے تھے
اُس عُمر کا غم سہنے دیجے
اَب اپنی اُجڑی آنکھوں میں
جتنی روشن سی راتیں ہیں

اُس عمر کی سب سوغاتیں ہیں

جس عُمر کے خواب خیال ہوئے
وہ پچھلی عمر تھی بیت گئی
وہ عمر بتائے سال ہوئے
اَب اپنی دید کے رستے میں
کچھ رنگ ہے گزرے لمحوں کا
کچھ اشکوں کی باراتیں ہیں
کچھ بھولے بسرے چہرے ہیں
کچھ یادوں کی برساتیں ہیں

یہ پچھلے عشق کی باتیں ہیں!

☆

ذکرِ شبِ فراق سے وحشت اُسے بھی تھی
میری طرح کسی سے محبت اُسے بھی تھی

مجھ کو بھی شوق تھا نئے چہروں کی دِید کا
رستہ بدل کے چلنے کی عادت اُسے بھی تھی

اُس رات دیر تک وہ رہا محوِ گفتگو!
مصروف میں بھی کم تھا فراغت اُسے بھی تھی

مجھ سے بچھڑ کے شہر میں گُھل مل گیا وہ شخص
حالانکہ شہر بھر سے عداوت اُسے بھی تھی

وہ مجھ سے بڑھ کے ضبط کا عادی تھا' جی گیا
ورنہ ہر ایک سانس قیامت اُسے بھی تھی

سنتا تھا وہ بھی سب سے پُرانی کہانیاں!
شاید رفاقتوں کی ضرورت اُسے بھی تھی

تنہا ہوا سفر میں تو مجھ پر کھلا یہ بھید
سائے سے پیار دُھوپ سے نفرت اُسے بھی تھی

محسؔن میں اُس سے کہہ نہ سکا یوں بھی حالِ دل
درپیش ایک تازہ مصیبت اُسے بھی تھی'

☆

بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کھلے؟
نہ اپنے زخم ہی مہکے نہ دِل کے چاک سِلے

کہاں تلک کوئی ڈھونڈے مسافروں کا سُراغ؟
بچھڑنے والوں کا کیا ہے' ملے ملے نہ ملے!!

عجیب قحط کا موسم تھا اب کے بستی میں
کئے ہیں بانجھ زمینوں سے بارشوں نے گِلے

یہ حادثہ سرِ ساحل رُلا گیا سب کو!
بھنور میں ڈوبنے والوں کے ہاتھ بھی نہ ہلے

سِناں کی نوک کبھی شاخِ دار پر محسن
سخنوروں کو ملے ہیں مُشقتوں کے صِلے!!

☆

کھنڈر آنکھوں میں غم آباد کرنا
کبھی فرصت ملے تو یاد کرنا

اذّیت کی ہوَس بجھنے لگی ہے
کوئی تازہ سِتم ایجاد کرنا

کئی صدیاں پگھلنے کا عمل ہے
بدن سے روُح کو آزاد کرنا

ابھی کیسی پرستش بجلیوں کی؟
ابھی گھر کس لیے برباد کرنا!

تمہارا جھوٹ، سچ سے معتبر ہے،
مرے حق میں بھی کچھ اِرشاد کرنا

عجب ہے دُھوپ چھاؤں ہجرتوں کی
کبھی ہنسنا کبھی فریاد کرنا

جہنّم جھیلنے سے بھی ۔ کٹھن ہے
اَنا کو خوُگرِ بیداد ۔ کرنا،

کبھی پتّھر سے سر ٹکرا کے محسؔن
ادا قرض سرِ فرہاد کرنا

☆

شکستہ آئینوں کی کرچیاں اچھی نہیں لگتیں
مجھے وعدوں کی خالی سیپیاں اچھی نہیں لگتیں

گزشتہ رُت کے رنگوں کا اثر دیکھو کہ اب مجھ کو
کھلے آنگن میں اُڑتی تتلیاں اچھی نہیں لگتیں

وہ کیا اجڑا نگر تھا جس کی چاہت کے سبب اب تک
ہری بیلوں سے اُلجھی ٹہنیاں اچھی نہیں لگتیں

دبے پاؤں ہوا جن کے چراغوں سے بہلتی ہو!
مجھے ایسے گھروں کی کھڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

بھلے لگتے ہیں طوفانوں سے لڑتے بادباں مجھ کو
ہوا کے رخ پہ چلتی کشتیاں اچھی نہیں لگتیں

یہ کہہ کر آج اُس سے بھی تعلق توڑ آیا ہوں!
مری جاںؑ مجھ کو ضِدّی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں

کسی گھر میں رَسن بستہ رہیں جو رات دن محسؔن
مجھے اکثر وہ سہمی ہرنیاں اچھی نہیں لگتیں

☆

اُس کی چاہت کا بھرم کیا رکھنا؟
دشتِ ہجراں میں قدم کیا رکھنا؟

اپنے جیسا کوئی مِلتا ہی نہیں!
آنکھ میں دولتِ غم کیا رکھنا

بات چُپ رہ کے بھی ہو سکتی ہے
پاسِ قرطاس و قلم کیا رکھنا؟

آؤ کشکول کو نیلام کریں
قرضِ اربابِ کرم کیا رکھنا؟

فکرِ آرائشِ مقتل میں رہو!
مہرُ و میزانِ علَم کیا رکھنا؟

اُس کی یادوں کو غنیمت جانو!
اس تعلّق کو تو کم کیا رکھنا؟

ہنس بھی لینا کبھی خود پر محسؔن
ہر گھڑی آنکھ کو نَم کیا رکھنا؟

اُس سَمت نہ جانا جان مِری!

اُس سَمت نہ جانا جان مِری!
اُس سَمت کی ساری روشنیاں
آنکھوں کو بُجھا کر جلتی ہیں!
اُس سَمت کی اُجلی مٹّی میں
ناگن آشائیں پلتی ہیں!
اُس سَمت کی صُبحیں شام تلک
ہونٹوں سے زہر اگلتی ہیں،
اُس سَمت نہ جانا جان مری!
اُس سَمت کے آنگن مقتل ہیں

اُس سَمت دہکتی گلیوں میں
زہریلی باس کا جادو ہے
اُس سَمت مہکتی کلیوں میں
کافور کی قاتل خوشبوُ ہے
اُس سَمت کی ہر دہلیز تلے
شمشان ہے جلتے جسموں کا
اُس سَمت فضا پر سایہ ہے
بے معنیٰ، مُبہم اِسموں کا!
اُس سَمت نہ جانا جان مِری

اُس سَمت کی ساری پھلجھڑیاں
بارُود کی تال میں ڈھلتی ہیں
اُس سَمت کے پتھر رستوں میں

مُنہ زور ہوائیں چلتی ہیں!
اُس سَمت کی ساری روشنیاں
آنکھوں کو بُجھا کر جلتی ہیں

اُس سَمت کے وہموں میں گھِر کر
کھو بیٹھو گی پہچان مری!
اُس سَمت نہ جانا جان مری!

چلو چھوڑو ۰۰۰۰۰!

چلو چھوڑو!

محبت جھوٹ ہے

عہدِ وفا اِک شغل ہے بے کار لوگوں کا

''طَلَب'' سوکھے ہوئے پتوں کا بے رونق جزیرہ ہے

'' خلش '' دیمک زدہ اوراق پر بوسیدہ سطروں کا ذخیرہ ہے

'' خُمارِ وصل ''تپتی دھوپ کے سینے پہ اُڑتے بادلوں کی رائیگاں بخشش!

'' غبارِ ہجر '' صحرا میں سَرابوں سے اَٹے موسم کا خمیازہ!!

چلو چھوڑو!

کہ اب تک میں اندھیروں کی دھمک میں سانس کی ضربوں پہ

چاہت کی بنا رکھ کر سفر کرتا رہا ہوں گا

مجھے احساس ہی کب تھا

کہ تُم بھی موسموں کے ساتھ اپنے پیرہن کے

رنگ بدلوگی!

چلو چھوڑو!

وہ سارے خواب کچّی بُھربُھری مٹی کے بے قیمت گھروندے تھے

وہ سارے ذائقے میری زباں پر زخم بن کر جم گئے ہوں گے

تمہارے اُنگلیوں کی نرم پوریں پتھروں پر نام لکھتی تھیں مِرا' لیکن

تمہاری اُنگلیاں تو عادتاً یہ جُرم کرتی تھیں۔۔۔!

چلو چھوڑو!

سفر میں اجنبی لوگوں سے ایسے حادثے سرزد ہوا کرتے ہیں

۔۔صدیوں سے

چلو چھوڑو!

مرا ہونا نہ ہونا اِک برابر ہے

تم اپنے خال وخد کو آئینے میں پھر نکھرنے دو
تم اپنی آنکھ کی بستی میں پھر سے اِک نیا موسم اُترنے دو!
''مرے خوابوں کو مرنے دو''
نئی تصویر دیکھو
پھر نیا مکتوب لکھّو
پھر نئے موسم نئے لفظوں سے اپنا سلسلہ جوڑو؛
مرے ماضی کی چاہت رائیگاں سمجھو
مری یادوں سے کچّے رابطے توڑو۔۔
چلو چھوڑو۔۔!!
محبت جھوٹ ہے،
عہدِ وفا اِک شغل ہے بے کار لوگوں کا

☆

عذابِ دید میں آنکھیں لہُو لہُو کر کے
میں شرمسار ہُوا تیری جستجُو کر کے

کھنڈر کی تہہ سے بریدہ بدن سروں کے سوا
مِلا نہ کچھ بھی خزانوں کی آرزو کر کے

سُنا ہے شہر میں زخمی دلوں کا میلہ ہے
چلیں گے ہم بھی مگر پیرہن رفو کر کے

مسافتِ شب ہجراں کے بعد بھید کھُلا!
ہوا دُکھی ہے، چراغوں کی آبرو کر کے

زمیں کی پیاس اُسی کے لہُو کو چاٹ گئی
وہ خوش ہوا تھا سمندر کو آبجُو کر کے

یہ کس نے ہم سے لہُو کا خراج پھر مانگا؟
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے

جلوُسِ اہلِ وفا کِس کے دَر پہ پہنچا ہے؟
نشانِ طوقِ وفا زینتِ گلو کر کے،

اُجاڑ رُت کو گلابی بنائے رکھتی ہے
ہماری آنکھ تری دید سے وضو کر کے

کوئی تو حبسِ ہوَا سے یہ پوچھتا محسؔن
مِلا ہے کیا اُسے کلیوں کو بے نمو کر کے

☆

روشن کیئے جو سل نے کبھی دن ڈھلے چراغ
اپنے اُجاڑ گھر میں لگے کیا بھلے چراغ!

شاید مرا وجود ہی سُورج تھا شہر میں
میں بُجھ گیا تو کتنے گھروں میں جلے چراغ!!

دریا کی تہہ میں کتنے ستاروں کا عکس تھا
پانی کے ساتھ ساتھ کہاں تک چلے چراغ

اے صُبح کی شریر کرن ان کا احترام!
طے کر گئے ہیں شب کے سبھی مرحلے چراغ

کیونکر نہ ہم بُجھیں تجھے مل کر کہ بزم میں؛
سورج ترا بدن ہے تو ہم دل جلے چراغ

محسنؔ وہ ڈھونڈتا تھا کِسے پچھلی رات کو؟
آنکھیں ہوا کی زد میں تھیں، دامن تلے چراغ

☆

جب تری دُھن میں جِیا کرتے تھے
ہم بھی چُپ چاپ پھرا کرتے تھے

آنکھ میں پیاس ہوُا کرتی تھی۔!
دِل میں طُوفان اُٹھا کرتے تھے

لوگ آتے تھے غزل سُننے کو
ہم تری بات کیا کرتے تھے

سچ سمجھتے تھے ترے وعدوں کو
رات دِن گھر مین رہا کرتے تھے

کسی ویرانے میں تجھ سے مِل کر
دِل میں کیا پھول کھلا کرتے تھے

گھر کی دیوار سجانے کے لیے
ہم ترا نام لکھا کرتے تھے

وہ بھی کیا دِن تھے بھُلا کر تجھ کو
ہم تجھے یاد کیا کرتے تھے

جب ترے درد میں دِل دُکھتا تھا
ہم ترے حق میں دُعا کرتے تھے

بجھنے لگتا تھا جو چہرہ تیرا
داغ سینے میں جَلا کرتے تھے

اپنے جذبوں کی کمندوں سے تجھے
ہم بھی تسخیر کیا کرتے تھے

اپنے آنسو بھی ستاروں کی طرح

تیرے ہونٹوں پہ سجا کرتے تھے

چھیڑتا تھا غمِ دُنیا جب بھی!
ہم ترے غم سے گِلا کرتے تھے

کل تجھے دیکھ کے یاد آیا ہے،
ہم سُخنور بھی ہُوا کرتے تھے

☆

شاید اُسے ملے گی لب بام چاندنی
اُتری ہے شہر میں جو سرِ شام چاندنی

مجھ سے اُلجھ پڑے نہ کڑی دوپہر کہیں؟
میں نے رکھا غزل میں ترا نام ''چاندنی''

میں مثلِ نقشِ پا، مرا آغاز دُھول دُھول
تو چاند کی طرح، ترا انجام -- چاندنی

جن وادیوں کے لوگ لُٹے، گھر اُجڑ چکے
اُن وادیوں میں کیا ہے ترا کام چاندنی؟

اُن کے لیے تھی صورتِ اعزز ہر کرن
اپنے لیے ہے باعثِ الزام چاندنی

چنتی ہیں میرے اشک رُتوں کی بھکارنیں
محسنؔ لٹا رہا ہوں سرِ عام چاندنی

☆

بچھڑ کے مجھ سے یہ مشغلہ اختیار کرنا
ہوَا سے ڈرنا بُجھے چراغوں سے پیار کرنا

کھلی زمینوں میں جب بھی سرسوں کے پھول مہکیں
تم ایسی رُت میں سَدا مِرا انتظار کرنا

جو لوگ جاہیں تو پھر تُمہیں یاد بھی نہ آئیں
کبھی کبھی تُم مجھے بھی اُن میں شُمار کرنا!

کسی کو الزامِ بے وفائی کبھی نہ دینا
مری طرح اپنے آپ کو سوگوار کرنا

تمام وعدے کہاں تلک یاد رکھ سکو گے؟
جو بھول جائیں وہ عہد بھی استوار کرنا

یہ کس کی آنکھوں نے بادلوں کو سکھا دیا ہے
کہ سینۂ سنگ سے رواں آبشار کرنا

میں زندگی سے نہ کھُل سکا اس لیے بھی محسنؔ
کہ بہتے پانی پہ کب تلک اعتبار کرنا

آج بھی شام اُداس رہی

آج بھی تپتی دُھوپ کا صحرا
تیرے نرم لبوں کی شبنم
تیری بکھری بکھری زُلف کے
سائے سے۔۔محروم رہا
آج بھی پتھر ہجر کا لمحہ
صدیوں سے بے خواب رُتوں کی
آنکھوں کا مقسُوم رہا
آج بھی اپنے وصل کا تارا
راکھ اُڑاتی۔۔شوخ شفق کی
منزل سے۔۔معدُوم رہا
آج بھی شہر میں پاگل دِل کو
تیری دید کی آس رہی
مدّت کی گُم سم تنہائی
آج بھی میرے پاس رہی
آج بھی شام اُداس رہی!!

بہت دنوں بعد

بہت دِنوں بعد
تیرے خط کے اُداس لفظوں نے
تیری چاہت کے زائقوں کی تمام خوشبوُ
مِری رگوں میں اُنڈیل دی ہے
بہت دِنوں بعد
تیری باتیں
تری ملاقات کی دھنک سے دہکتی راتیں
اُجاڑ آنکھوں کے پیاس پاتال کی تہوں میں
وصال وعدوں کی چاند چنگاریوں کو سانسوں کی آنچ دے کر
شریر شعلوں کی سرکشی کے تمام تیور
سِکھا گئی ہیں
ترے مہکتے مہین لفظوں کی آبشاریں
بہت دنوں بعد پھر سے
مجھ کو رُلا گئی ہیں
بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ میرے اندر کی راکھ کے ڈھیر پر ابھی تک
ترے زمانے لکھے ہوئے ہیں
سبھی فسانے لکھے ہوئے ہیں
بہت دنوں بعد
میں نے سوچا تو یاد آیا
کہ تیری یادوں کی کرچیاں

مجھ سے کھو گئی ہیں

ترے بدن کی تمام خوشبو

بکھر گئی ہے

ترے زمانے کی چاہتیں

سب نشانیاں

سب شرارتیں

سب حکائتیں، سب شکائتیں جو کبھی ہُنر میں

خیال تھیں، خواب ہو گئی ہیں

بہت دنوں بعد

میں نے سوچا تو یاد آیا

کہ میں بھی کتنا بدل گیا ہوں

بچھڑ کے تجھ سے

کئی لکیروں میں ڈھل گیا ہوں

میں اپنے سگرٹ کے بے ارادہ دُھویں کی صُورت

ہوا میں تحلیل ہو گیا ہوں

نہ ڈُھونڈ میری وفا کے نقشِ قدم کے ریزے

کہ میں تو تیری تلاش کے بے کنار صحرا میں

وہم کے بے اماں بگولوں کے وار سہہ کر

اُداس رَہ کر

نجانے کس رَہ میں کھو گیا ہوں؟

بچھڑ کے تُجھ سے تری طرح کیا بتاؤں میں بھی،

نہ جانے کس کس کا ہو گیا ہوں؟

بہت دنوں بعد

میں نے سوچا۔۔۔تو یاد آیا!!

☆

جانے اب کس دیس ملیں گے اُونچی ذاتوں والے لوگ؟
نیک نگاہوں، سچّے جذبوں کی سوغاتوں والے لوگ

پیاس کے صحراؤں میں دُھوپ پہن کر پلتے بنجارو۔!
پلکوں اوٹ تلاش کرو، بوجھل برساتوں والے لوگ

وقت کی اُڑتی دُھول میں اپنے نقش گنوائے پھرتے ہیں
رِم جھِم صبحوں، روشن شاموں، ریشم راتوں والے لوگ

ایک بھکارن ڈھونڈ رہی تھی رات کو جھوٹے چہروں میں
اُجلے لفظوں، سچّی باتوں کی خیراتوں والے لوگ

آنے والی روگ رُتوں کا پُرسہ دیں ہر لڑکی کو۔۔!
شہنائی کا درد سمجھ لیں گر باراتوں والے لوگ

پتھر کُوٹنے والوں کو بھی شیشے جیسی سانس مِلے!!
محسنؔ روز دُعائیں مانگیں زخمی ہاتوں والے لوگ

☆

آج گُم صُم ہے جو برباد جزیروں جیسی
اُس کی آنکھوں میں چمکی تھی کبھی ہیروں جیسی

کتنے مغرور پہاڑوں کے بدن چاک ہوئے
تیز کرنوں کی جو بارش ہوئی تیروں جیسی

جس کی یادوں سے خیالوں کے خزانے دہکے
اُس کی صورت بھی لگی آج فقیروں جیسی

چاہتیں لب پہ مچلتی ہوئی لڑکی کی طرح
حسرتیں آنکھ میں، زنداں کے اسیروں جیسی

ہم انا مست، تہی دست بہت ہیں محسنؔ
یہ الگ بات کہ عادت ہے امیروں جیسی

☆

آئنے پر کبھی کتاب میں ہیں!
اُس کی آنکھیں عجب عذاب میں ہیں

تھکتے پھرتے ہیں دُھوپ میں بچّے!
تتِلیاں سائیہ گلاب میں ہیں

ایک کچّے گھڑے کی جُراُت پر
کتنی طغیانیاں چناب میں ہیں

وہ ابھی تک ہے رُوبرو اپنے
ہم ابھی تک حصارِ خواب میں ہیں

اُس کی عادت ہے رُوٹھنا محسنؔ
لوگ بے وجہ اضطراب میں ہیں

☆

بَسا ہُوا تھا جو سینے میں آرزو کی طرح
رگوں میں گُونج رہا ہے وہ اَب لہُو کی طرح

میں اُس کے دل میں چھُپی خواہشیں بھی جان گیا
کھُلا وہ مجھ سے گریبانِ بے رفُو کی طرح

کوئی نظر بھی اُٹھے اُس پہ دل دھڑک جائے
میں اُس سے پیار کروں اپنی آبرو کی طرح

بہت دنوں میں جو دیکھا اُسے تو کیا کہیئے!
لگی ہے اس کی خموشی بھی گفتگو کی طرح

مجھے جُدا نہ سمجھنا چمن سے اہلِ چمن!
میں رائیگاں ہی سہی ' شاخِ بے نمو کی طرح

غمِ جہاں تھا کہ مُحسنؔ اُجاڑ موسم تھا
سِمٹ گیا وہ سمندر بھی آبجُو کی طرح

☆

زندگی جب بھٹک گئی ہو گی
تا بہ حدِّ فلک گئی ہو گی

راکھ کے ڈھیر میں دُھواں کیسا؟
آگ پھر سے بھڑک گئی ہو گی

موت کا ساتھ چھوڑنے کے لیے
زندگی دُور تک گئی ہو گی

بَرق گرنے سے گھر کے جلنے تک
ساری بستی چمک گئی ہو گی

وہ چُنَریا پہن کے پھرتی ہے
گاؤں میں فصل پک گئی ہو گی

دل کو جینے کا ڈھب تو آتا تھا
دل کی دھڑکن ہی تھک گئی ہو گی

آبلہ پا جدھر گئے ہوں گے
راہ پھولوں سے ڈھک گئی ہو گی

اُس کے قدموں کی چاپ سے محسنؔ
دل کی دھرتی دھڑک گئی ہو گی

میری پرستش نہ کر

میں تو کہتا تھا

میری پرستش نہ کر!!

میری عُریاں ہتھیلی پہ پلکوں کے اندر چھُپی خواہشوں کے ستارے

نہ چُن

میری قسموں میں لپٹے ہوئے وصل وعدوں سے

اپنی حَسیں ریشمی چاہتوں کے کنارے نہ بُن'

میرے لفظوں پہ مَت جا

کہ نامُعتبر لفظ فصلِ خزاں کی ہوا میں بکھرتے ہوئے زرد پتّوں

کی آواز ہیں

میرے پاؤں کے تلوؤں پہ یاقوت ومرجاں سے ہونٹوں

کے موتی نچھاور نہ کر

میں تو کہتا تھا

جذبوں کی مُنہ زور آندھی کے رستے میں اتنے دیے مت جَلا

اپنی خواہش کے تپتے ہوُئے دشت میں

بے جہت رقص کرتے بگولوں کی خالی ہتھیلی پہ

شفّاف خوابوں کے ریشم میں لپٹے ہوئے جگنوؤں کے

گُہر مت سجا

مت سَجا سازشی سوُرجوں کے مقابل سُخن آئینے'

میں تو کہتا تھا

چاہت کی ساری لکیریں

سبھی ذائقے

سب رُتیں

دُھوپ چھاؤں کے اندھے اَدُھورے سفر سے اُبھرتی ہوئی

گرد کی تہہ میں پوشیدہ منظر کے

بنتے بگڑتے خدوخال کا

استعارہ سمجھ

گردشِ روز وشب کا اشارہ سمجھ

دیکھ۔اپنی جوانی کی جلتی ہوئی دوپہر میں کوئی خواب دیکھا نہ کر

میرے ہاتھوں کی یخ بستگی پہ سرِ شام

سوچا نہ کر

مجھ سے اِتنی عقیدت بھی اچھی نہیں

میرے نزدیک آ

میرے تن میں اُتر

میری بانھوں کے آنگن میں بکھری ہوئی دُھوپ میں بن سنور

مجھ سے کیسا حذر؟

مجھ کو "اپنا" سمجھ

میرے نزدیک اپنائیت سے بڑا کوئی رشتہ نہیں

میری چاہت کو کوئی تقاضا سمجھ

میرے اندر کا انساں فرشتہ نہیں

اور۔۔۔اب

تیرے رُوٹھے ہُوئے لفظ!

گجروں کے سُوکھے ہُوئے پھول!!

آنکھوں میں بکھرے ہوئے آنسوؤں کے گُہر!

تیرے معصوُم جذبوں کے سچ کی مُسلسل گواہی۔۔مگر

میں تو کہتا تھا میری پرستش نہ کر

میں تو کہتا تھا

میری پرستش نہ کر

اجنبی وہ بھی عجب موسم تھا

اجنبی، وہ بھی عجب موسم تھا
تیری قربت کا سنہرا موسم
تیری خوشبو سے مہکتا ہُوا گہرا موسم
تیرے چہرے کی تمازت سے دہکتی صُبحیں
تیری زُلفوں کی شباہت سے لپکتی شامیں
تیرے لہجے کی شرارت سے شگفتہ لمحے
تیری آنکھوں میں لرزتے ہوئے اقرار کی لَو
تیری آواز کے گُلپوش ابدزاروں میں
خواب درخواب دُعاؤں کے گُلاب
تیرے بلّور سے ہاتھوں میں
مری "تازہ کتاب"
اجنبی یہ بھی عجب موسم ہے
تیری فرقت کا جھلستا موسم
آگ بن کر میری سوچوں پہ برستا موسم
کتنا محرومِ طرب موسم ہے
غم بجاں، نوحہ بہ لب موسم ہے
تیری خوشبو کا جزیرہ نہ تری یاد کا شہر
میری نَس نَس میں اُترتا ہُوا
تنہائی کا زہر
زہر کی لہر کے ہمراہ ترے درد کا قہر
قریۂ جاں میں اُترتا ہے تو یوُں لگتا ہے

جیسے نازل ہو کسی شہرِ چراغاں پہ عذاب
جیسے بے آب و ہوا رُت میں جھُلس جائیں گلاب
دِل میں اب درد بکھرتا ہے تو یوُں لگتا ہے
جس طرح ٹوٹ رہی ہو کسی خیمے کی طناَب

ایسے لگتا ہے کہ اِس بار نہ چھوُ پائے گی
تیرے بلوّر سے ہاتھوں کو
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مری ''تازہ کتاب''

☆

مرحلے شوق کے دُشوار ہُوا کرتے ہیں
سائے بھی راہ کی دیوار ہُوا کرتے ہیں

وہ جو سچ بولتے رہنے کی قسم کھاتے ہیں
وہ عدالت میں گُنہکار ہُوا کرتے ہیں

صرف ہاتھوں کو نہ دیکھو کبھی آنکھیں بھی پڑھو
کچھ سوالی بڑے خوددار ہُوا کرتے ہیں

وہ جو پتھر یونہی رستے میں پڑے رہتے ہیں
اُن کے سینے میں بھی شہکار ہُوا کرتے ہیں

صبح کی پہلی کرن جن کو رُلا دیتی ہے؛
وہ ستاروں کے عزادار ہوُا کرتے ہیں

جن کی آنکھوں میں سدا پیاس کے صحرا چمکیں
درحقیقت ہوی فنکار ہوُا کرتے ہیں

شرم آتی ہے کہ دُشمن کِسے سمجھیں محسنؔ؟
دُشمنی کے بھی تو معیار ہوُا کرتے ہیں!!

☆

کیا ہے عہد تو اُس کو نباہتے رہنا
میں جب تلک بھی جیوں مجھ کو چاہتے رہنا

تمام دن اُسے ملنے کی جستجو رکھنا
تمام رات تھکن سے کراہتے رہنا

کبھی تو ٹوٹ کے میرے لیے بھی مجھ سے مِلو
یہ کیا کہ میری غزل کو سراہتے رہنا

بہت کٹھن ہے اندھیروں کے شہر میں محسنؔ
چراغ بن کے ہوَا سے بناہتے رہنا!!

☆

چاک دامانیاں نہیں جاتیں
دل کی نادانیاں نہیں جاتیں

بام و در جل اُٹھے چراغوں سے
گھر کی ویرانیاں نہیں جاتیں

اَوڑھ لی ہے زمین خُود پہ مگر
تَن کی عُریانیاں نہیں جاتیں

ہم تو چُپ ہیں مگر زمانے کی
حشر سامانیاں نہیں جاتیں

دیکھ کر آئینے میں عکس اپنا
اُس کی حیرانیاں نہیں جاتیں

لاکھ اُجڑے ہوئے ہوں شہزادے
سر سے سلطانیاں نہیں جاتیں

لشکرِ ظُلم تھک گیا محسنؔ
اپنی قربانیاں نہیں جاتیں

☆

جس کو اکثر سوچا تھا تنہائی میں
شامل ہے وہ شخص مری رُسوائی میں

مجھ سے مَت پُوچھو وہ چہرہ کیسا تھا؟
ڈُوب گیا میں آنکھوں کی گہرائی میں

جاگتے رہنے کی کتنی ترغیبیں تھیں
اُس کو بوجھل تھکی ہوُئی انگرائی میں

تجھ سے آنکھ ملانا کتنا مشکل ہے
ورنہ سوُرج گُھل جائیں بینائی میں

پیار بھی کرتا ہے وہ بے پروائی سے
نادانی کا رنگ بھی ہے دانائی میں

کاش کوئی محمل کے اندر سُن سکتا!
میری چیخ بھی شامل تھی شہنائی میں

وہ اِک پل کو روُٹھا تو محسوس ہوُا
جیسے بیت گیا اک سال جدُائی میں

جاؤ اپنے جیسے لوگ تلاش کرو۔!
کیا پاؤ گے محسنؔ سے ہر جائی میں

☆

آنکھوں میں کوئی خواب اُترنے نہیں دیتا
یہ دِل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا

بچھڑے تو عجب پیار جتاتا ہے خطوں میں
مل جائے تو پھر حد سے گزرنے نہیں دیتا

وہ شخص خزاں رُت میں بھی محتاط ہے کتنا
سُوکھے ہوئے پھولوں کو بکھرنے نہیں دیتا

اِک روز تری پیاس خریدے گا وہ گبھرُو!
پانی تجھے پنگھٹ سے جو بھرنے نہیں دیتا

وہ دل میں تبسُّم کی کرن گھولنے والا
روُٹھے تو رُتوں کو بھی سنورنے نہیں دیتا

میں اُس کو مناؤں کہ غمِ دہر سے اُلجھوں؟
محسنؔ وہ کوئی کام بھی کرنے نہیں دیتا

میں نے اِس طور سے چاہا تجھے!

میں نے اِس طَور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے!!
جیسے سُورج کی کِرن سیپ کے دل میں اُترے
جیسے خُوشبو کو ہوَا رنگ سے ہٹ کر چاہے

جیسے پتھر کے کلیجے سے کِرن پھوٗٹتی ہے
جیسے غُنچے کھلے موسم سے حِنا مانگتے ہیں
جیسے خوابوں میں خیالوں کی کماں ٹوٹتی ہے
جیسے بارش کی دُعا آبلہ پا مانگتے ہیں

میرا ہر خواب مرے سچ کی گواہی دے گا
وسعتِ دید نے تُجھ سے تری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں کبھی دیکھ سراپا اپنا!
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

خواہشِ دید کا موسم کبھی دُھندلا جو ہُوا
نوچ ڈالی ہیں زمانوں کی نقابیں مَیں نے
تیری پلکوں پہ اُترتی ہوُئی صُبحوں کے لیے
توڑ ڈالی ہیں ستاروں کی طنابیں میں نے

میں نے چاہا کہ ترے حُسن کی گُلنار فضا!
میری غزلوں کی قطاروں سے دہکتی جائے

میں نے چاہا کہ مرے فن کے گُلستاں کی بہار
تیری آنکھوں کے گُلابوں سے مہکتی جائے

طے تو یہ تھا کہ سجاتا رہے لفظوں کے کنول
میرے خاموش خیالوں میں تکلُّم تیرا
رقص کرتا رہے بھرتا رہے خوشبُو کا خُمار
میری خواہش کے جزیروں میں تبسُّم تیرا

تو مگر اجنبی ماحول کی پروردہ کِرن!
میری بجھتی ہوئی راتوں کو سحر کر نہ سکی
تیری سانسوں میں مسیحائی تھی لیکن تُو بھی
چارۂ زخمِ غمِ دیدۂ تر کر نہ سکی!

تجھ کو احساس ہی کب ہے کہ کسی درد کا داغ
آنکھ سے دِل میں اُتر جائے تو کیا ہوتا ہے؟
تو کہ سیماب طبیعت ہے تُجھے کیا معلوُم
موسمِ ہجر ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے؟

تُو نے اُس موڑ پہ توڑا ہے تعلُّق کہ جہاں
دیکھ سکتا نہیں کوئی بھی پلٹ کر جاناں!

اب یہ عالم ہے کہ آنکھیں جو کھُلیں گی اپنی
یاد آئے گی تری دید کا منظر جاناں

مجھ سے مانگے گا ترے عہدِ محبت کا حساب
تیرے ہجراں کا دہکتا ہوُا محشر جاناں

یوُں مرے دِل کے برابر ترا گم آیا ہے
جیسے شیشے کے مقابل کوئی پتھر جاناں!

جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
میں نے اِس طَور سے چاہا تجھے اکثر جاناں!

ندامت

رقص کے زاویے
گھنگھروؤں کی چھنن چھَن چھنن سے اُدھر
گردآلود پاؤں کی ہرتال پر
بجلیوں کا جگر چیر کر گھومتے ابروؤں کی کماں
بازوؤں کے بھنور
ہرطرف رونقیں
ہرطرف قہقہے
ہرطرف رنگ ونکہت کی بارش میں تر

بے صدا بام و دَر!!

میری جاں رونقیں سب بجا تھیں مگر

کرم خوُردہ کتابوں سے ملتے ہوُئے زرد چہروں، سیہ پیکروں

سے پرَے

تیری سہمی ہوُئی آنکھ میں جاگتے واہموں، چیختی خواہشوں

چلچلاتی خراشوں کے سب دائرے

میری شہ رگ میں اپنی بغاوت کے سب نقش بُنتے رہے

دِل کے صحرا میں چُنتے رہے

کرچیاں اپنے ٹوٹے ہوئے خواب کی

اور مَیں

وہم کی دُھول بستی کے خاشاک میں ریزہ ریزہ بکھرتا رہا

ٹوٹ کر

میری جاں رونقیں سب بجا تھیں مگر

میرا دل!

جیسے بچھڑی ہوُئی کُونج کا کوئی پَر

اپنے ہی خوُں میں تَر

جیسے بُجھتی ہوئی راکھ کے ڈھیر میں سانس لیتا شرر

جیسے آندھی کی زد میں

خزاں سوختہ بے لبادہ شجر!!!

میری جاں

رونقیں سب بجا ہیں۔۔۔مگر

گھنگھروؤں کی چھنن چھن چھنن سے۔۔۔اُدھر

☆

وہ بظاہر جو زمانے سے خفا لگتا ہے
ہنس کے بولے بھی تو دُنیا سے جُدا لگتا ہے

اور کچھ دیر نہ بجھنے دے اسے ربِ سحر!
ڈُوبتا چاند مرا دستِ دُعا لگتا ہے

جس سے مُنہ پھیر کے رستے کی ہوا گذری ہے
کسی اُجڑے ہوئے آنگن کا دیا لگتا ہے

اب کے ساون میں بھی زردی نہ گئی چہروں کی
ایسے موسم میں تو جنگل بھی ہَرا لگتا ہے!!

شہر کی بھیڑ میں کھلتے ہیں کہاں اُس کے نقوش!
آؤ تنہائی میں سوچیں کہ وہ کیا لگتا ہے؟

مُنہ چھپائے ہوئے گذرا ہے جو احباب سے آج
اُس کی آنکھوں میں کوئی زخم نیا لگتا ہے

اب تو محسنؔ کے تصور میں اُتر ربِّ جلیل
اس اُداسی میں تو پتھرّ بھی خُدا لگتا ہے

☆

حبسِ دُنیا سے گذر جاتے ہیں
ایسا کرتے ہیں کہ مَر جاتے ہیں

کیسے ہوتے ہیں بچھڑنے والے؟
ہم یہ سوچیں بھی تو ڈر جاتے ہیں

دِل جو ٹوٹے تو سرِ محفل بھی
بال بے وجہِ بکھر جاتے ہیں

اب نہ دیکھو مِری بنجر آنکھیں
چڑھتے دریا تو اُتر جاتے ہیں

دُھوپ کا رُوپ رچانے والے؛
شام کو اور نکھر جاتے ہیں

اَب نہ مُڑ مُڑ کے پُکارو اُن کو!
لوگ رستے میں ٹھہر جاتے ہیں

خالی دامن سے شکایت کیسی؟
اشک آنکھوں میں تو بھر جاتے ہیں

تُم کہاں جاؤ گے سوچو محسنؔ؟
لوگ تھک ہار کے گھر جاتے ہیں

☆

کاش کچھ دیر یونہی وقت گُزرتا رہتا
میں اُسے دیکھتا رہتا وہ سنورتا رہتا

اجنبی، کتنا اکیلا ہے محبت کا سفر
تو مرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ڈرتا رہتا

میں تو صُبحوں کی طرح گود میں لیتا اُس کو
وہ کہ سوُرج تھا تو پھر روز اُبھرتا رہتا

اک نہ اِک رُخ پہ مری آنکھ بکھرتی رہتی
اک نہ اِک عکس مرے دل میں اُترتا رہتا

اُس کو جانا تھا، کوئی زخم ہی دے کر جاتا
اس بہانے میں اُسے یاد تو کرتا رہتا

کوئی تصویر تو آخر کو اُبھر ہی آتی!
رنگ، خاکوں میں وہ کچھ دیر تو بھرتا رہتا

☆

سُکونِ دل کا اثر جان دُھوپ ڈھلنے تک
ہوا کی بے خبری ہے، چراغ جلنے تک

نجانے راکھ ہُوئی کتنے سُورجوں کی تپش!
ہماری برف رگوں میں لہُو پگھلنے تک

نجانے کتنے جہنّم بدن میں اُتریں گے
ہمارے سر سے عذابِ حیات ٹلنے تک

مآلِ موسمِ گُل سے بھی جی لرزتا ہے!
بچھڑ نہ جاؤ کہیں تُم یہ رُت بدلنے تک

سنبھل سنبھل کے رہِ جاں میں سانس لیتا ہُوں
ہزار ٹھوکریں کھائیں مگر سنبھلنے تک

بدل گئے ہیں سبھی خال و خد مرے محسنؔ
بدن پہ راکھ گزرتے دِنوں کی مَلنے تک

☆

جس کی قسمت ہی دربدر ٹھہرے
وہ بُجھا چاند کس کے گھر ٹھہرے

عُمر گزری سنوارتے دِل کو!
کاش وہ دِل میں لمحہ بھر ٹھہرے

ہم سے شبخوں کی داستاں پوچھو
شہر والے تو بے خبر ٹھہرے

اُس سے کیا پُوچھنا سفر کی تھکن؟
جس کی منزل ہی رہگذر ٹھہرے

اُس کی قیمت، عذاب سُورج کا
وہ سِتارہ جو تا سحر ٹھہرے

اُس کی آنکھیں اُدھر گئی ہی نہیں
لوگ کیا کیا نہ موڑ پر ٹھہرے

ہم سے کیسا حَذر ہوائے سفر
ہم تو گردِ رہِ سفر ٹھہرے

جھک کے چوُمے نہ کیوں فلک محسنؔ؟
جب سِناں پر کسی کا سر ٹھہرے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے

یہ جو شام ڈھل رہی ہے
اسے سہل بھی نہ جانو!
یہ ٹھہر گئی جو دِل میں،
یہی شب ہلاکتوں کی
یہی دوپہر کڑی ہے

پسِ گردِ عہد و پیماں
یہ جو ہجر کی گھڑی ہے
یہ فشارِ جاں کا موسم
یہ جو دِل گرفتگی ہے
یہ جو وہم ہے لہُو میں
یہ جو سہم آنکھ میں ہے

یہ سناں سی وسوسوں کی
جو خیال میں گڑی ہے
یہ جو اِک خلش وفا کی
ترا جوَر سہہ گئی ہے
یہ جو "ان کہی کہانی!"
مِرے دِل میں رہ گئی ہے

یہ تھکن رہِ جنوں کی:
جو اُتر گئی رگوں میں

یہ تِری مری خوشی ہے

یہ چراغ چاہتوں کے
جو ہوا میں جل رہے ہیں
انہیں کب تلک سنبھالیں؟

چلو پھر سے توڑ ڈالیں
وہ تمام عہد و پیماں!
کہ میں تُجھ میں جی رہا ہوں
کہ تُو مجھ میں بس رہا ہے

چلو پھر سے سوچتے ہیں
کہ میں تُجھ سے ناشناسا
کہ تُو مجھ سے اجنبی ہے

وہ جو رسمِ دوستی ہے
وہ رہے تو جاں سلامت
نہ رہے تو پھر بھی جاناں
ترا غم سنبھالنے کو!
ابھی زندگی پڑی ہے

آؤ وعدہ کریں

آؤ وعدہ کریں۔۔۔!
آج کے دن کی روشن گواہی میں ہم
دیدہ و دِل کی بے انت شاہی میں ہم
زیرِ دامانِ تقدیسِ لوح و قلم!
اپنے خوابوں‘ خیالوں کی جاگیر کو
فکر کے مُوقلم سے
تراشی ہُوئی۔۔۔اپنی شفّاف سوچوں کی تصویر کو
اپنے بے حرف ہاتھوں کی تحریر کو
اپنی تقدیر کو
یوُں سنبھالیں گے‘ مثلِ چراغِ حرم
جیسے آندھی میں
بے گھر مُسافر کوئی۔۔بجھتی آنکھوں کے بوسیدہ فانوس میں
پہرہ داروں کی صُورت چھُپائے رکھے
جانے والوں کے۔۔دُھندلے سے نقشِ قدم!
آج کے دِن کی روشن گواہی میں ہم۔۔۔!
پھر اِرادہ کریں
جتنی یادوں کے خاکے نمایاں نہیں
جتنے ہونٹوں کے یاقوت بے آب ہیں
جتنی آنکھوں کے نیلم فروزاں نہیں
جتنے چہروں کے مرجان زرداب ہیں
جتنی سوچیں بھی مشعل بداماں نہیں
جتنے گُلرنگ مہتاب۔۔گہنا گئے

جتنے معصوم رُخسار۔۔مرُجھا گئے
جتنی شمعیں بُجھیں
جتنی شاخیں جلیں
سب کو خوشبو بھری زندگی بخش دیں
تازگی بخش دیں
بھر دیں سب کی رگوں میں لہو نم نہ نم
مثلِ ابر کرم رکھ لیں سب کا بھرم!
دیدہ و دل کی بے اَنت شاہی میں ہم
زخم کھائیں گے حُسنِ چمن کے لیے
اشک مہکائیں گے مثلِ رُخسارِ گُل
صرف آرائشِ پیرہن کے لیے
مُسکرائیں گے رنج و غمِ دہر میں
.........اپنی ہنستی ہوئی انجمن کے لیے
طعن احباب، سرمائیہ گُنجِ دل
طنزِ اغیار سہہ لیں گے فن کے لیے

آؤ وعدہ کریں••••• !
سانس لیں گے متاعِ سُخن کے لیے
جاں گنوائیں گے ارضِ وطن کے لیے
دیدہ و دِل کی شوریدگی کی قسم
آسمانوں سے اُنچا رکھیں گے علَم

آؤ وعدہ کریں!
آج کے دِن کی روشن گواہی میں ہم

☆

کچھ ذکر کرو اُس موسم کا جب رَم جھم رات رسیلی تھی
جب صُبح کا رُوپ رُوپہلا تھا جب شام بہت شرمیلی تھی

جب پھول مہکتی راہوں پر قدموں سے گجر بج اُٹھتے تھے
جب تن میں سانس کے سرگم کی ہر دیپک تان سُریلی تھی

جب خواب سراب جزیروں میں خوش فہم نظر کھُل جاتی تھی
جب پیار پوَن کے جھونکوں سے ہر یاد کی موج نشیلی تھی

اَمرت کی مہک تھی باتوں میں نفرت کے شرر تھے پلکوں پر
وہ ہونٹ نہایت میٹھے تھے، وہ آنکھ بہت زہریلی تھی

محسنؔ اُس شہر میں مرنے کو اَب اس کے سوا کچھ یاد نہیں
کچھ زہر تھا شہر کے پانی میں، کچھ خاک کی رنگت نیلی تھی!

☆

تُم نے بھی ٹھکرا ہی دیا ہے، دُنیا سے بھی دُور ہوئے
اپنی اَنا کے سارے شیشے آخر چکنا چور ہوئے

ہم نے جن پر غزلیں سوچیں اُن کو چاہا لوگوں نے
ہم کتنے بدنام ہوئے تھے وہ کتنے مشہور ہوئے!

ترکِ وفا کی ساری قسمیں اُن کو دیکھ کے ٹوٹ گئیں
اُن کا ناز سلامت ٹھہرا ہم ہی ذرا مجبور ہوئے

ایک گھڑی کو رُک کر پوُچھا اُس نے تو احوال مگر
باقی عُمر نہ مُڑ کر دیکھا ہم ایسے مغرور ہوئے

اب کے اُن کی بزم میں جانے کا گر محسنؔ اذن ملے
زخم ہی ان کی نذر گزاریں، اشک تو نامنظور ہوئے

☆

وہ دلاور جو سیہِ شب کے شکاری نکلے
وہ بھی چڑھتے ہوئے سورج کے پُجاری نکلے

سب کے ہونٹوں پہ مرے بعد ہیں باتیں میری!
میرے دُشمن میرے لفظوں کے بھکاری نکلے

اک جنازہ اُٹھا مقتل سے عجب شان کے ساتھ

جیسے سج کر کسی فاتح کی سواری نکلے

بہتے اشکوں سے شعاعوں کی سبیلیں پھوٹیں
چُبھتے زخموں سے فنِ نقش نگاری نکلے

ہم کو ہر دَور کی گردش نے سلامی دی ہے
ہم وہ پتّھر ہیں جو ہر دَور میں بھاری نکلے

عکس کوئی ہو خدوخال تمہارے دیکھوں
بزم کوئی ہو مگر بات تمہاری نکلے

اپنے دُشمن سے میں بے وجہ خفا تھا محسنؔ
میرے قاتل تو میرے اپنے حواری نکلے

☆

کبھی گریباں کے تار گنتے ' کبھی صلیبوں پہ جان دیتے
گزر گئی زندگی ہماری سدا یہی امتحان دیتے

بوقتِ شب خوُں تمام بستی پہ خوف طاری تھا قاتلوں کا؛
سُکوتِ شب کے اُجاڑ گنبد میں ہم کہاں تک اَذان دیتے؟

میں کس نگر کی ہوا سے پوچھوں ' میں کون صحرا کی خاک چھانوں؟
بچھڑنے والے کہیں تو اپنا سُراغ رکھتے' نشان دیتے!

ہمارے لفظوں سے نُطق چھینا ہے اپنی محرومیوں نے ورنہ
سخنورو ہم بھی اپنی بستی کے پتھروں کو زبان دیتے

سزا سُنانے سے پیشتر مُنصِفوں سے پل بھر جو اذن ملتا!
تو ہم بھی جرم انا کے حق میں کوئی اُدھورا بیان دیتے

عداوتوں کے عذاب سوُرج نے اتنی مہلت نہ دی کہ محسنؔ؟
ہم اپنی جلتی زمیں کے سر پہ کوئی بگولہ ہی تان دیتے'

☆

مِری سانسوں کی خوشبو سے تجھے زنجیر ہونا ہے
ابھی اِس خواب کو شرمندۂ تعبیر ہونا ہے

یہ کہہ کر اپنی محرومی کو بہلاتا ہے دِل اپنا
اگر وہ چاند ہے تو پھر اُسے تسخیر ہونا ہے

مِرے لفظوں کی لغزش کہہ رہی تھی آج محفل میں
کہ تیری خامشی کو حاصِل تقریر ہونا ہے!

جبیں تو خیر داغِ بندگی سے بجھ گئی لیکن
دُعا کو بے نیازِ حلقۂ تاثیر ہونا ہے

وہ جن کے خون سے دستارِ قاتل ہو گئی رنگیں
اُنہی کے مقتلوں کی خاک کو اکسیر ہونا ہے

ہمارے گھر پہ گرتی بجلیوں کو کیا خبر محسنؔ
کہ اس ملبے پہ اِک تازہ نگر تعمیر ہونا ہے

دوستو پھر وہی ساعت

دوستو پھر وہی ساعت وہی رُت آئی ہے
ہم نے جب اپنے ارادوں کا علَم کھولا تھا
دل نے جب اپنے ارادوں کی قسم کھائی تھی
شوق نے جب رگِ دوراں میں لہُو گھولا تھا

پھر وہی ساعتِ صد رنگ وہی صُبحِ جنُوں
اپنے ہاتھوں میں نئے دور کی سوغات لیے
محملِ شامِ غریباں سے اُتر آئی ہے
خشک ہونٹوں پہ بکھرتے ہوئے جذبات لیے

آؤ ' پھر ریت پہ بکھرے ہوئے ہیرے چُن لیں
پھر یہ صحرا کی سخاوت بھی رہے یا نہ رہے!
آؤ کچھ دیر جراحت پہ چھڑک لیں شبنم!!
کیا خبر پھر یہ روایت بھی رہے یا نہ رہے؟

آؤ پھر حلق میں ٹوٹا ہُوا نشتر کھینچیں
دل سے ممکن ہے کوئی حرف ' زباں تک پہنچے
آؤ پھر غور کریں ہم کہ سرِ مقتلِ جاں!
شوق دلداری جاناں میں کہاں تک پہنچے؟

دوستو آؤ کہ سر جوڑ کے بیٹھیں کچھ دیر'
احتسابِ غمِ دوراں سے نمٹ کر دیکھیں
کچھ تو ماضی کے جھروکوں سے اُدھر بھی ہوگا
اپنے ماحول سے کچھ دیر تو ہٹ کر دیکھیں

ہم نے چاہا تھا کہ یوُں اب کے چراغاں کیجئے
روشنی ہو تو گُلستاں سے قفس تک جائے
اب کے اِس طرح دِل زار سے شعلے پھوٹیں
آنچ یخ بستگیِ قلب و قفس تک جائے

اپنی مٹّی سے محبت کی گواہی کے لیے!
ہم نے زرداب نظر کو بھی شفق لکھّا تھا
اپنی تاریخ کے سینے پہ سجا ہے اب تک
ہم نے خونِ رگِ جاں سے جو وَرق لکھّا تھا

دوستو آؤ کہ تجدیدِ وفا کا دن ہے
ساعتِ عہدِ محبت کو حِنا رنگ کریں
خوُنِ دِل غازۂ رُخسارِ وطن ہو جائے
اپنے اشکوں کو ستاروں سے ہم آہنگ کریں

آؤ سرنامۂ رُودادِ سفر لکھ ڈالیں
اشک پیوندِ کفِ خاکِ جگر ہونے تک
ہم نے کیا کیا نہ خلاؤں پہ کمندیں ڈالیں
شوقِ تسخیرِ مہ و مہر ہنرُ ہونے تک

آؤ لکھیں کی ہمیں اپنی اَماں میں رکھنا
احتسابِ عملِ دیدۂ تر ہونے تک
ہم تو مر جائیں گے اے ارضِ وطن پھر بھی تجھے
زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سوُرج

اے ٹھٹھرتی ہوئی صبح کے دہکتے سورج
تجھ کو معلوم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
کتنی سفاک، سیہ فام شبوں کی سختی
اپنے دُکھتے ہوئے احساس میں شامل کرلی!
کتنی پگھلی ہوئی شاموں کی جگر سوز تھکن

اپنے دامن میں سمیٹی کبھی دل میں بھر لی

تجھ کو معلوم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
قتل گاہوں کو سجایا' کبھی زندانوں کو
تختۂ دار کو بخشا کبھی اُمید کا چاند!
ہم نے اشکوں سے منوّر کیا تہہ خانوں کو
شاہراہوں میں کبھی اپنے سَلاسل ٹُوٹے!
ہم نے قدموں پہ گرایا کبھی ایوانوں کو

تجھ کو معلوُم ہے اِس صبح کی خاطر ہم نے
کتنی راتوں کو ستاروں کا لہُو بخشا ہے
بانجھ ہوتی ہوئی دھرتی کے ہر اک ذرّے کو
اپنی شہ رگ کی طرح ذوقِ نمو بخشا ہے

اے دہکتے ہوُئے سورج یہ گواہی لکھ لے
دِل کو زخموں سے بہلنے کی بھی خوُ آتی ہے
یہ گواہی کی سرِ مقتلِ جاں اپنی اَنا ۔۔!
سر بکف ' زہر بہ لب ' شُعلہ بہ رُو آتی ہے

آج بھی عہدِ گزشتہ کی ہر اِک یاد کے ساتھ
سانس لیتے ہیں تو بارُود کی بوُ آتی ہے
اے ٹھٹھرتی ہوُئی صبح کے دہکتے سوُرج
نقش کچھ ثبت سر لوحِ زماں آج بھی ہیں
کتنے کانٹوں سے اَٹی ہے رہِ احساس مگر
قافلے شوق کے منزل کو رواں آج بھی ہیں

ہانپتا ظُلم ضعیفی کی حدوں تک پہنچا!
اپنے جذبے ہیں کہ سینے میں جواں آج بھی ہیں

لَب پہ اِک حرفِ دُعا ہے کہ تری عُمر دراز!
جسم پر ناچتے کوڑوں کے نِشاں آج بھی ہیں

☆

دِل خوُں ہوُا کہیں تو کبھی زخم سہہ گئے
اب حادثے ہی اپنی وراثت میں رہ گئے

کہنے کو ایک ساتھ ہی ڈوبا ہے قافلہ
کچھ عکس زیرِ آب مگر تہہ بہ تہہ گئے

پتّوں سے پھوٗٹتی ہیں ہواؤں کی ہچکیاں
پنچھی ہرے شجر سے عجب بات کہہ گئے

شاید وہ بام و در کو نہ سونے دیں عُمر بھر
جو خواب گھر کی خاک میں پیوست رہ گئے

محسنؔ غریب لوگ بھی تنکوں کے ڈھیر ہیں
ملبے میں دَب گئے کبھی پانی میں بہہ گئے

☆

جو شخص بھی اپنا قدوقامت نہیں رکھتا
وہ شہر کے آئینے سلامت نہیں رکھتا

مجھ سے یہ شکایت ہے مرے چارہ گروں کو
میں زخم چھپانے کو علامت نہیں رکھتا

وہ دوست اگر ہے تو مجھے حوصلہ بخشے
دُشمن ہے تو کیوں حرف مِلامت نہیں رکھتا

یہ عہدِ بغاوت ہے، کرو فکر سروں کی!
دستار تو کوئی بھی سلامت نہیں رکھتا

راس آ ہی گیا ترکِ تعلق اُسے آخر!
آنکھوں میں وہ پہلی سی ندامت نہیں رکھتا

اب کس کی تسلّی کو غزل سوچئے محسنؔ
اب کون یہاں دِل میں قیامت نہیں رکھتا ؟

☆

شَب ڈھلی چاند بھی نکلے تو سہی
درد جو دِل میں ہے چمکے تو سہی!

وہ قیامت ہو، ستارہ ہو کی دِل!
کچھ نہ کچھ ہجر میں ٹوٹے تو سہی

ہم وہیں پر ہی بَسا لیں خوُد کو ۔۔!
وہ کبھی راہ میں روکے تو سہی

سب سے ہٹ کر ہی منانا ہے اُسے
ہم سے اک بار وہ روُٹھے تو سہی

دِل اُسی وقت سنبھل جائے گا
دِل کا احوال وہ پوُچھے تو سہی

اُس کی نفرت بھی محبت ہو گی
میرے بارے میں وہ سوچے تو سہی

اُس کے قدموں میں بچھادوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی

میرا جسم، آئینہ خانہ ٹھہرے

میری جانب، کوئی دیکھے تو سہی

اُس کے سب جھوٹ بھی سچ ہیں محسنؔ؟
شرط اتنی ہے، وہ بولے تو سہی

☆

دِل کو کچھ اور سنبھلنے دینا
آج کی رات نہ ڈھلنے دینا

پھر بچھڑنا تو مقدّر ٹھہرا
دو قدم ساتھ تو چلنے دینا!

یہ جوانی ہے سنبھالے رکھنا!
اس قیامت کو نہ ٹلنے دینا،

یا ہوَا سے انہیں اوجھل رکھنا
یا چراغوں کو نہ جلنے دینا

اُس کو ہر رنگ سے چاہو محسنؔ
اُس کو ہر روپ بدلنے دینا

☆

کچھ نہ کسی کے حق میں کہنا' چپ رہنا
دل پر سارے صدمے سہنا' چُپ رہنا

دشت کے سنّاٹے کا زیور' آوازیں
شور مچاتے شہر کا گہنا' چُپ رہنا

ہم نے گہرے دریاؤں سے سیکھا ہے
آپ ہی اپنی موج میں بہنا' چُپ رہنا

اُس نے کہا تھا جشن کی رات کو جنگل میں'
ناچیں گے سب لوگ برہنہ' چُپ رہنا

عذابِ دید

نہ پُوچھ شہر میں رونق ہے اِن دنوں کتنی۔!
دُھواں دُھواں کہیں بارُود کی نمائش ہے
سجے ہُوئے کسی رَہ میں ہیں سر بُریدہ بدن
کہیں متاعِ دل و جاں کی آزمائش ہے

'' عذابِ دید '' ہے منظر خروشِ مقتل کا
لبوں پہ جم گئی تعبیرِ خوابِ وصل و فراق
مزاجِ قاتلِ سرکش کی وحشتوں کے سبب
دُعا پہ بند ہوئے درگہِ قبول کے طاق
کٹے پھٹے ہوئے جسموں پہ دُھول کی چادر
اُڑا رہی ہے سرِ عام زندگی کا مذاق!

بُجھی بُجھی ہوئی آنکھوں میں کانپتے آنسو
لہُو میں تیرتے چہروں کے بدنصیب گُلاب
ہوا کے ساتھ اندھیروں میں ہانپتے جگنو
فنا کے نیل میں بے آسرا دِلوں کے حباب
ڈری ڈری ہوئی ماؤں کے بے صَدا نوحے
قضا سے مانگ رہے ہیں نفس نفس کا حساب
گلی کے موڑ پہ رُک رُک کے سوچتی بہنیں
نجانے کب سے کھڑی ہیں کہ ابرِ خوف چھٹے
چھٹے یہ ابر یہ انبوہِ خلقِ شہر ہٹے
ہٹے یہ خلق یہ صدیوں کا راستہ جو کٹے
تو ماں کے دُودھ کا کوئی نشاں تلاش کریں
مِلے جو لاش سلامت جوان بھائی کی!
تو بال کھول کے روئیں برہنہ چہروں پر
کریں سوال جو کوئی، اماں تلاش کریں
کہ کون لوگ ہیں نوکیلے ناخنوں والے
جو بے گُناہ لہُو کا خراج لیتے ہیں!

سنوارتے ہیں جو بارُود کے دُھویں سے نقوش

درندگی کی ہوس میں اُجاڑ دیتے ہیں
جو کھیلتے ہوئے بچوں کی بے کنار ہنسی
متاعِ زر جنہیں انساں کی زندگی سے عزیز
جو سلسبیل کی شہ رگ میں گھول دیتے ہیں
شرارِ موت، سمِ حبس، زہرِ تشنہ لبی

یہ سوگوار سے چہرے نِگوں نِگوں آنکھیں
خلاء میں گھورتی رہتی ہیں ان دنوں آنکھیں
حنا کے نُور سے خالی ہتھیلیاں کب تک؟
یہ پُوچھتی ہیں دریچوں میں بے سُکوں آنکھیں

کہاں رُکے گا لہُو کا یہ بے اماں سیلاب
بکھر کے رَہ میں بہے گا کہاں کہاں سیلاب
اُداس بہنوں کی چادر کے خوں فشاں پُرزے
سیاہ پوش یتیموں کی ہچکیوں کے بھنور!

عذابِ شب سے فقط اِذنِ خواب مانگتے ہیں
ضعیف ماؤں کے آنسو ہر ایک موڑ پہ آج!
امیرِ شہر سے اپنا حساب مانگتے ہیں!!

صَبا ۔ ۔ ۔ غُرورِ نگہبانِ شہر سے کہنا!
جو پڑھ سکے تو پڑھے چہرۂ بشر کا سوال
کمالِ ضبط کا حاصِل ہر ایک دِن کا زوال

یہی سَحر ہے تو کیونکر حیات گذرے گی

نجانے کون سے مقتل میں رات گذرے گی؟

تم سے ممکن ہو تو.....

تُم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کردو
کُنج مہتاب سے تا گوشۂ دربارِ شہی
مثلِ ویرانئ جاں، صُورتِ دامانِ تہی
وہ اندھیرا ہو کہ ہر رنگ پریشاں ٹھہرے
آنکھ پلکوں کی رفاقت سے گُریزاں ٹھہرے
گھر کا روزن کِسی جگنوُ کی کِرن کو ترسے
ہر طرف دامِ غریباں کی اُداسی برسے
شاخ در شاخ اُترنے لگے وحشت کا عذاب
شورشِ موجِ ہوَا، صُورِ سرافیل لگے
رقص کرتے ہوئے بے خواب بگولوں کے بدن
رہگذاروں کی تھکن اَوڑھ کے شَل ہو جائیں
ماند پڑ جائیں ستاروں کے قبیلوں کی رسُوم
جاگتے شہر تہہِ خاکِ زمیں سو جائیں
شہ رگِ وقت میں سیّال سیاہی بھر دو

تُم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کر دو
سب در و بام بُجھا دو کہ مرے سینے میں!
زخم در زخم فروزاں ہیں لہُو کی شمعیں

جن سے کترا کے گذرتی ہے اندھیروں کی قطار
لشکرِ شام و سحر جن کی لوؤں سے لرزاں
جن کی حِدّت سے ہواؤں کو پسینہ آئے
جن سے جذبوں کو دہکنے کا قرینہ آئے

تیرگی اور بڑھا دو کہ مِری آنکھوں میں
اشک اور اشک منور ہیں ستاروں کے چراغ
جن کی ضوَ چوم کے خورشیدِ قیامت اُبھرے
جن کے سائے میں ہمکتی ہوئی اُمیدوں کا
جشنِ نو روز کی صورت قد و قامت اُبھرے
جن کے رنگوں میں ڈھلیں عصرِ درخشاں کے نقوش
جن کا پرَ تو سبھی ذرّوں کی جبیں پر اُترے
کہکشاں جن کی زیارت کو زمیں پر اُترے

چاند سے نقش مٹا دو کہ مِرے ہونٹوں پر
حرف دَر حرف دہکتے ہیں دِل زار کے داغ
جن کی خوشبو سے پگھلتا ہے دو عالم کا دماغ
جن کی تابندہ مزاجی سے نگیں شرمندہ
جو بکھرتے ہیں تو رنگوں کی دھنک ٹوٹتی ہے
جن کے پہلوُ سے کئی صُبحوں کی پوَ پھوٹتی ہے

تم سے ممکن ہو تو سب روشنیاں گُل کر دو
تم سے ممکن ہے، مگر تم سے کہاں ممکن ہے؟
رشتۂ نکہتِ گُل، گُل سے جُدا ہو جائے
سنگ سے رنگ، ہوَا خوُد سے خفا ہو جائے

یاد رکھنا کی تمہیں یاد رہے یا نہ رہے
جب تلک راہ میں دیوارِ قضا حائل ہے
میری فریاد میں' تیشے کا ہُنر جاری ہے
جب تلک شہرِ دل و جاں کے کسی گوشے میں
صبحِ گُلرنگ کی منزل نہ دکھائے دے گی
شب کے صحرا مین ستاروں کا سفر جاری ہے!

☆

پرندے لَوٹ رہے تھے گھروں کی سَمت مگر
ہوَا کا رُخ تھا شکستہ پروں کی سَمت مگر

چھتوں پہ کتنا چراغاں تھا اب کے جشن کی رات
وہ دیکھنا مرا بجھتے دروں کی سَمت مگر

کُشادہ دِل تھے کئی لوگ یوُں تو مقتل میں
بڑھے ہیں تیر ہمارے سروں کی سَمت مگر

بدن پہ آئینے اَوڑھے وہ لوگ آئے تھے
مرا خیال رہا پتھروں کی سَمت مگر

میں بڑھ رہا تھا ترِے دُشمنوں سے لڑنے کو

ترا عذاب مرے لشکروں کی سَمت مگر

وہ اِک نگر تھا کہ بازارِ مصر تھا محسؔن
کوئی نظر نہ اُٹھی دلبروں کی سَمت مگر!

☆

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے
زخم تُمہارے ہجر کا بھرتا جاتا ہے

کنکر پھینکنے والوں کو کچھ علم نہیں
پانی میں اِک عکس بِکھرتا جاتا ہے

دِل کی غُربت سارے گھر میں پھیل گئی
تصویروں سیرنگ اُترتا جاتا ہے

بجھتی آنکھ کے سائے پھیلتے جاتے ہیں
شام کا منظر اور نکھرتا جاتا ہے

محسؔن اُس نے دِل کا شہر اُجاڑ دیا
میں سمجھا تھا' بخت سنورتا جاتا ہے

☆

اپنے آپ سے پھرتے ہیں بیگانے کیوں؟
شہر میں آ کر لوگ ہُوئے دیوانے کیوں؟

ہم نے کب مانی تھی بات زمانے کی!
آج ہماری بات زمانہ مانے کیوں؟

وہ جنگل کے پھولوں پر کیوں مرتا ہے؟
اُس کو اچھّے لگتے ہیں ویرانے کیوں؟

سچّی بات سے گھبرانے کی عادت کیا
جھوٹے لوگوں سے اپنے یارانے کیوں؟

خَلوت میں جو آنکھ ملاتے ڈرتا ہو
میلے میں وہ شخص ہمیں پہچانے کیوں؟

محسنؔ جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہُوں!
دِل کو یاد آتے ہیں یار پُرانے کیوں؟

☆

اِک نُکتہ اِک بات!
دار کی موت، حیات

جھوٹے سب دِن رَین
سچّی ربّ کی ذات

صبر کے کالے کوس
جبر کی لمبی رات

اُس کے سب اقرار
سوُکھی ڈال کے پات

میرے شہر کی بھیڑ
اِک اُجڑی بارات

آگ سے پھول نہ مانگ
جل جائیں گے بات

رُخ، صحرا کی دُھول
آنکھوں میں برسات

توُ اور اُس کا نام؟
دیکھ اپنی اوقات

بہکی چال سنبھال
گھوم نہ میرے ساتھ

اُس کے نقش نہ دیکھ
سب اُجلی آیات

محسنؔ سے مت پُوچھ
محسنؔ کے حالات

اے فلک بخت مُسافر

آج کی صُبح مہ و سال کے آئینے میں
پھر ترے خوُن کی پوشاک پہن کر آئی
پھر دِل و جاں میں ترِے قُرب کا موسم اُترا
پھر ترے درد کی سوگات میسّر آئی

آنکھ میں پھر سے دہکنے لگے خوابوں کے گُلاب
پھر صَبا خاک پہ سر نوحہ بہ لَب گذری ہے

پھر اِسی سوچ میں غلطاں ہے قبیلہ اپنا
عُمر گذری کہ ترے ہجر کی شب گذری ہے؟

تو نے سینے پہ سجائی ہیں خراشیں جس کی
وہ قیامت بھی کسی اور پہ کب گذری ہے

دل نے جب جب بھی تری سمت پلٹ کر دیکھا
سج گئی راہ میں بے رحم صلیبوں کی قطار
خاکِ مقتل پہ دمکنے لگے اشکوں کے نُجوم
چشمِ قاتل سے برسنے لگے نفرت کے شرار
پھر سے ہر تارِ گریباں پہ لگی جَبر کی مُہر
کھِچ گئے تا بہ فلک ظُلم و تشدّد کے حصار
جُز ترے کس سے کہیں ہم کہ کہاں ختم ہوُا؟
تازیانوں کی زباں چومتے زخموں کا شُمار!

آنکھ میں تیر گئے پھر تری خوشبو کے بھنور
پھر سے قسمت کو جگانے لگے صُبحوں کے سفیر
تیری جُرأت کبھی تلوار کی صوُرت چمکی
تیر بن کر کبھی اُبھری ترے جذبوں کی لکیر

بارشِ سنگ میں جب قحطِ نموُ یاد آیا
تیرا سچ بولتا' بے باک لہوُ یاد آیا

جب کوئی چیخ تہہِ جبر و ستم دفن ہوئی
اہلِ زنداں کو ترا نورہَ ہوُ یاد آیا

جب درِ حرف صداقت پہ کوئی قُفل پڑا

تیرا اعزازِ رسن، طوقِ گلو یاد آیا

جب بھی مقتل میں کوئی چاند ہوا از نیتِ دار
اے فلک بخت مُسافر ہمیں تُو یاد آیا

ہمارا کیا ہے؟

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو چراغِ شب کی طرح
اگر جلے بھی تو بس اتنی روشنی ہوگی!
کہ جیسے تُند اندھیروں کی راہ میں جگنو
ذرا سی دیر کو چمکے، چمک کے کھو جائے

پھر اِس کے بعد کسی کو نہ کچھ سُجھائی دے
نہ شب کٹے نہ سُراغِ سحر دکھائی دے!!

ہمارا کیا ہے کہ ہم تو پسِ غبارِ سفر
اگر چلے بھی تو بس اِتنی راہ طے ہوگی!
کہ جیسے تیز ہواؤں کی زد میں نقشِ قدم
ذرا سی دیر کو اُبھر کے مِٹ جائے

پھر اِس کے بعد نہ منزل نہ رہگذار ملے!
حدِ نگاہِ تلک دشتِ بے کنار ملے!!

ہماری سَمت نہ دیکھو کہ کوئی دیر میں ہم
قبیلۂ دِل و جاں سے بچھڑنے والے ہیں
بسے بسائے ہوئے شہر اپنی آنکھوں کے
مثالِ خانۂ ویراں اُجڑنے والے ہیں
ہوَا کا شور یہی ہے تو دیکھتے رہنا
ہماری عُمر کے خیمے اُکھڑنے والے ہیں

اب اِس کے بعد تُمہارے لیے ہیں رنگ سبھی
سبھی رتیں سبھی موسم تمہی سے مہکیں گے!
ہر ایک لَوحِ زماں پر تمہارے نام کی مُہر
ہر ایک صُبح تمہاری جبیں پہ سجدہ گذار
طلوُعِ مہرِ درخشاں فروغِ ماہِ تمام!!
یہ رنگ و نوُر کی بارش تمہارے عہد کے نام
اَب اِس کے بعد یہ ہوگا کہ تُم پہ ہونا ہے
ورُودِ نعمت عُظمٰے ہو یا نزولِ عذاب!
تُمھی پہ قرض رہے گی تمہارے فرض میں ہے

دِلوں کی زخم شُماری غمِ جہاں کا حِساب
گناہِ وصل کی لذّت کہ ہجرتوں کا ثواب؟
تمام نقش تمہی کو سنوارنا ہوں گے!
رگوں میں ضبط کے نشتر اُتارنا ہوں گے!!

اب اِس طرح ہے کہ گذرے دنوں کے ورثے میں
تمہاری نذر ہیں ٹکڑے شکستہ خوابوں کے

جلے ہوئے کئی خیمے' دریدہ پیراہن
بجھے چراغ' لہو انگلیاں' فگار بدن
یتیم لفظ' ردا سوختہ انا کی تھکن
تمہیں یہ زخم تو آنکھوں میں گھولنا ہوں گے
عذاب اور بھی پلکوں پہ تولنا ہوں گے

وہ یوُں بھی ہے کہ اگر حوصلے سلامت ہوں!
بہت کٹھن بھی نہیں رہگذارِ دشت جنوُں
یہی کہ آبلہ پائی سے جی نہ اُکتائے!!
جراحتوں کی مشقت سے دِل نہ گھبرائے!

رگوں سے درد کا سیماب اس طرح پھوٹے
نشاطِ کَرب کا عالَم فضا پہ طاری ہو!
کبھی جو طبل بجے' مقتلِ حیات سجے!
تو ہر قدم پہ لہُو کی سبیل جاری ہو!!

جو یوُں نہیں تو چلو اب کے اپنے دامن پر
بہ فیضِ کم نظری داغ بے شُمار سہی!
اُدھر یہ حل کہ موسم خراج مانگتا ہے
اِدھر یہ رنگ کہ ہر عکس آئینے سے خجِل
نہ دل میں زخم نہ آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک
جو کچھ نہیں تو یہی رسمِ روزگار سہی!
نہ ہو نصیب رگِ گُل تو نوکِ خار سہی

جو ہو سکے تو گریباں کے چاک سی لینا!

وگرنہ تُم بھی ہماری طرح سے جی لینا!

☆

دِل فکرِ دَوا سے بچ گیا ہے
اَب دَرد رگوں میں رَچ گیا ہے

ماتم تھا یہ کس کا شہرِ جاں میں
صحرا میں بھی شور مچ گیا ہے

رائج ہے زبان مصلحت کی
اَب شہر سے جھوٹ سچ گیا ہے

منصف کا حساب؟ خیر چھوڑو
قاتل کو تو قتل پچ گیا ہے

اَب گرد کی تہہ کو کیا ہٹائیں
ملبُوس یہ تن پہ جچ گیا ہے

محسنؔ وہ عجیب سخت جاں تھا
جو زہر بھی پی کے بچ گیا ہے

☆

خیال میں تیری آمد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی
غزل کا کیا ہے کہ سرزد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

تو اپنے عہدِ جفا کے اُفق سنبھال ذرا۔!
مری وفا کی کوئی حد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

ترے مزاجِ سخاوت کی برہمی قائم
مری دُعا پہ نہ جا، رَد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

تو آسماں پہ کہیں نصب کر خیامِ خیال
مری زمیں مری مسند ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

یہ زندگی مری اپنی ہے، جس طرح بھی کٹے
رہینِ عکس اَب وَجد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

کچھ اور دیر بھڑکنے دو آنسوؤں کے چراغ
یہ روشنی سرِ مرقد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

بہت ہے اُس کی نظر، اُس طرف اُٹھے تو سہی

متاعِ دامنِ مقصد ہوئی، ہوئی نہ ہوئی

جسے مقامِ رضاؑ کی خبر نہیں محسنؔ!
اُسے زیارتِ ''مشہد'' ہوئی، ہوئی نہ ہوئی!

☆

سلطنت دِل میں ہی نہیں اُس کی،
آسماں تک ہے سرزمیں اُس کی

پھر پہاڑوں پہ برف پگھلی ہے
پھر دمکنے لگی جبیں اُس کی

دھیان رکھنا ہر ایک آہٹ پر،
شاید اُبھرے صَدا کہیں اُس کی

اب بھی روشن ہے زندگی اُس سے
اب بھی صورت ہے دلنشیں اُس کی

ہجر کی رُت عذاب ہے محسنؔ
عادتیں سب بدل گئیں اُس کی

☆

لہرائے سدا آنکھ میں پیارے ' ترا آنچل
جھومر ہے ترا چاند، ستارے ترا آنچل

اَب تک مِری یادوں میں ہے رنگوں کا تلاطم
دیکھا تھا کبھی جھیل کنارے ترا آنچل

لپٹے کبھی شانوں سے کبھی زُلف سے اُلجھے
کیوں ڈُھونڈھتا رہتا ہے سہارے ترا آنچل

مہکیں تری خوشبو سے دہکتی ہوئی سانسیں
جب تیز ہوا خود سے اتارے ترا آنچل

آنچل میں رَچے رنگ نکھاریں تری زُلفیں
اُلجھی ہوئی زُلفوں کو سنوارے ترا آنچل

اس وقت ہے تتلی کی طرح دوشِ ہوَا پر
اس وقت کہاں بس میں ہمارے ترا آنچل

کاجل ترا بہہ بہہ کے رُلائے مجھے اَب بھی
رَہ رَہ کے مجھے اَب بھی پکارے ترا آنچل

☆

وہ دُعا بھی زَرِ تاثیر سے خالی دے گا
اور کیا تجھ کو ترے در کا سوالی دے گا

اُس سے مت پوچھ غمِ دہر کی تلخی کا علاج
مشورے جتنے بھی دے گا وہ خیالی دے گا

اُس کے لہجے میں کھنکتا ہے سَدا رِزقِ حرام
اُس سے خیرات نہ مانگو کہ وہ گالی دے گا

خود کو پہچان کبھی دِل کی کہانی میں اُتر
یہ سخنور تجھے کردار مثالی دے گا

فاختۂ تُند بگولوں میں گھری ہے محسؔن
کون اَب اُس کو ہَرے پیڑ کی ڈالی دے گا؟

☆

اُن کی سازش تو ہے رات باقی رہے
عُمر بھر ظلم کی ....بات باقی رہے

شہر جلتا رہے شہر کی فکر کیا؟
قاتلِ شہر کی ذات باقی رہے

جو ظاہر ہیں بازوُ یہ کٹتے رہیں
وہ جو خفیہ ہے وہ ہات باقی رہے

زخمِ دِل کی نمائشِ ضروری نہیں
لَب پہ حرفِ مُناجات باقی رہے

کوُئے دِلدار میں بِکنے والے بہت
سیم و زَر کی یہ برسات باقی رہے

شوق سے توڑ دِیجے تعلّق مگر
راستے کی ملاقات باقی رہے

اِک ستمگر کی ضِد ہے کہ محسنؔ یہاں
امن بھی ظلم کے ساتھ باقی رہے

☆

آتے جاتے ہوئے لوگوں پہ نظر کیا رکھنا
لُٹ چکا شہر فصیلوں کی خبر کیا رکھنا

بجھ گئی آنکھ تو اِک آدھ کرن کی خاطر
چھت میں سوراخ تو دیوار میں دَر کیا رکھنا

آئینہ زَد میں اگر ہے تو چٹخنے دے اُسے
دِل میں احساسِ کفِ آئینہ گر کیا رکھنا

صورتِ موجِ ہوا جن کو بکھر جانا ہو
ایسے الفاظ پہ بُنیادِ ہُنر کیا رکھنا

اَب یہی اَشک غنیمت ہیں تسلّی کے لیے
ہجر کی رات سے اُمیدِ سحر کیا رکھنا

موسمِ جشنِ جنوں اَجر طلب ہے اب کے
دل میں احساسِ زیاں دوش پہ سر کیا رکھنا

سیلِ خوں اَب کے بہت تیز ہے محسنؔ میرے

شہر کا شہر گیا' گھر کی خبر کیا رکھنا؟

☆

دیکھنے میں وہ دِلدار ہے اور کیا؟
میری سوچوں کا شہکار ہے اور کیا؟

آدمی بے کفن لاش ہے اور بس!
آدمیّت عزدار ہے اور کیا؟

میرے پاؤں کی زنجیر ہے زندگی!
سانس بے ربط جھنکار ہے اور کیا؟

آسماں' رنگ' حدِّ نظر جو بھی ہے
میرے رستے کی دیوار ہے اور کیا!

دل سے مت پُوچھ رُودادِ ضبطِ سُخن
مُجرم حرفِ اقرار ہے اور کیا؟

تیرا محسنؔ' ملامت کی بارش میں تَر
جُرم یہ ہے کہ فنکار ہے اور کیا؟

صبحِ اوّل کے سوُرج

نئے سال کی صبحِ اوّل کے سوُرج!
مِرے آنسوؤں کے شکستہ نگینے
مِرے زخم دَر زخم بٹتے ہوُئے دِل کے
یاقوُت ریزے
تِری نذر کرنے کے قابل نہیں ہیں
مگر میں
(ادُھورے سفر کا مسافر)
اُجڑتی ہوئی آنکھ کی سب شُعاعیں
فِگار اُنگلیاں
اپنی بے مائیگی
اپنے ہونٹوں کے نیلے اُفق پر سجائے
دُعا کر رہا ہوں
کہ توُ مسکرائے!
جہاں تک بھی تیری جوُاں روشنی کا
اُبلتا ہوُا شوخ سیماب جائے
وہاں تک کوئی دِل چٹخنے نہ پائے
کوئی آنکھ میلی نہ ہوُ نہ کسی ہاتھ میں
حرفِ خیرات کا کوئی کشکول ہو!
کوئی چہرہ کٹے ضربِ افلاس سے
نہ مُسافر کوئی

بے جہت جگنوؤں کا طلب گار ہو

کوئی اہلِ قلم

مدحِ طَبل و علم میں نہ اہلِ حکم کا گُنہگار ہو

کوئی دَریوُزہ گر

کیوں پھرے در بدر؟

صبحِ اوّل کے سوُرج

دُعا ہے کہ تیری حرارت کا خالق

مِرے گنگ لفظوں

مرے سرد جذبوں کی یخ بستگی کو

کڑکتی ہوُئی بجلیوں کا کوئی

ذائقہ بخش دے!

رَہ گزاروں میں دم توڑتے رہروؤں کو

سفر کا نیا حوصلہ بخش دے!

میری تاریک گلیوں کو جلتے چراغوں کا

پھر سے کوئی سلسلہ بخش دے

شہر والوں کو میری اَنا بخش دے

دُخترِ دَشت کو دُودھیا کُہر کی اک رِدَا بخش دے

بھنور

وہ اکثر دِن میں بچّوں کو سُلا دیتی ہے اس ڈر سے

گلی میں پھر کھلونے بیچنے والا نہ آجائے

بجھتے ہوئے دِیئے کی دُعا کام کر گئی
اِک شب کی گود کتنے ستاروں سے بھر گئی

ماں کو تلاشِ رِزق نے رستہ بھلا دیا
بچّی ٹھٹھر کے رات کے سائے میں مر گئی

خود بارِ خستگی سے گری چھت مکان کی
تہمت مگر بھٹکتی ہواؤں کے سر گئی

اس بار میرے گاؤں کے میلے کی بھیڑ میں
جو گُم ہوا وہ ایک بھکارن کا لال تھا!

تیرا فراق، دِل کی تباہی، رُتوں کا خوف
میرے لیے یہ سال قیامت کا سال تھا

درویش کو طلب تھی متاعِ خلوص کی
مخلوق چُپ رہی کہ یہ مشکل سوال تھا

ختم ہونے کو ہے سفر شاید
پھر ملیں گے کبھی --- مگر شاید

پھر مِلا اذنِ آبلہ پائی ---!
پھر بھٹکنا ہے دربدر شاید

اب کے شب آنکھ میں اُتر آئی
اب نہ دیکھیں گے ہم سحر شاید

شہر میں روشنی کا میلہ ہے
جل گیا پھر کسی کا گھر شاید

اوّلِ شام ستارے مِرے اشکوں کے گُہر
چاند لگتا ہے مِرا طوقِ گُلو آخر شب

میری شہ رگ سے اُبھرتی ہیں سحر کی کرنیں
میرے دامن پہ چمکتا ہے لہُو آخرِ شب

یوُں بجھے گھر میں سجاتا ہوں چراغوں کی قطار
جس طرح آج بھی آ جائے گا تو آخر شب

کچھ یوں کبھی شہر بھر میں پہیلی ہے ایک تُو
سب کی سہیلیاں ہیں، اکیلی ہے ایک تُو

شامِ سفر کا اور اثاثہ ہی کچھ نہیں۔!
اِک تیری بے چراغ ہتھیلی ہے، ایک تُو

قیدی کوئی تعزیر کے قابل ہی نہیں تھا
زنداں میں کہیں شورِ سلاسل ہی نہیں تھا

دے گی مِری ٹوٹی ہوئی تلوار گواہی۔!
میداں میں ہزیمت کا میں قائل ہی نہیں تھا

ہاں بہرِ تماشہ بڑی مخلوق تھی لیکن!
جو رونقِ مقتل ہو ۔ وہ بسمل ہی نہیں تھا

کبھی جو فرصت ملے تو دل کے تمام بے ربط خواب لکھوّں
تری ادا سے غزل تراشوں، ترے بدن پر کتاب لکھوّں

بجھے چراغوں کی لَو پگھلتے دِلوں کے احساس میں بھگو کر
میں آنے والی اُداس نسلوں کی زندگی کا نصاب لکھوّں

مرے شب و روز رائیگاں خواہشوں کی مِٹی سے اَٹ گئے ہیں
میں کس وَرق پر گئے دِنوں کی مشقّتوں کا حِساب لکھوّں

بچھڑ کے تجھ سے وہ کون ہے جس کے نام کردوں ہُنر اثاثہ
میں کیوں کوئی نظم کہہ کے سوچوں میں کس لیے انتساب لکھوّں

اُس کے اِک اِک حرف کی تہہ میں چاہت کا اِک دریادیکھا
لیکن اُس کی آنکھ میں ہم نے اکثر پیاس کا صحرا دیکھا

درد کی رُت میں کون کسی کے زخم پہ مرہم رکھتا ہے
سردی ک راتوں میں ہم نے پورے چاند کو تنہا دیکھا

دنیا مجھی سے میرا پتہ پوچھتی رہی
میرا وجود گُم تھا کسی اور ذات میں

تیرا وصال تھا کہ زمانوں کی سلطنت!
لمحوں پہ تھی گرفت کہ صدیاں تھیں ہات میں

تو نے نفرت سے جو دیکھا تو مجھے یاد آیا۔!
کیسے رشتے تری خاطر یونہی توڑ آیا ہوں

کتنے دھندلے ہیں یہ چہرے جنہیں اپنایا ہے
کتنی اُجلی تھیں وہ آنکھیں جنہیں چھوڑ آیا ہوں

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے

خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

نہ سو سکے گا وہ صحرا کہ جس نے عُمر کے بعد
ہوَا کے دوش پہ بادل کی مشک دیکھی ہے؛

مری صفائی میں شاید کوئی نکل آئے‘
عدالتوں میں گواہوں کی بھیڑ رہتی ہے

خیامِ لشکرِ اعدأ میں کیوں نہ خاک اُڑے
فرات پر تو مِری تشنگی کے پہرے ہیں

ہمیں خبر تھی کہ صحرا میں منزلیں ہیں کہاں
قدم قدم پہ مگر بار بار ٹھہرے ہیں!

میں جانتا ہوں عدالت کی دسترس کو مگر
میں کیا کروں کہ مرے ہر طرف کٹھرے ہیں

کون ہے معتبر زمانے میں۔ا
کس کے وعدے پہ اعتماد کریں؟

بھول جانے کی عُمر بیت گئی!

آؤ اِک دوسرے کو یاد کریں!!

\-----------

دن بھر خفا تھی مجھ سے مگر چاند رات کو
مہندی سے میرا نام لکھا اُس نے ہاتھ پر

یوُں ہم سے ہر گھڑی ہے گریزاں یہ کائنات
جیسے ہمارا حق ہی نہیں کائنات پر

اپنی ہتھیلیوں پہ لہوُ کے نشاں بھی گن
اے دوست اُنگلیاں نہ اُٹھا میری ذات پر

\-----------

میں نے مہتاب کی کرنوں سے بچایا تھا جسے
دُھوپ اَوڑھے ہوئے پھرتا ہے وہ بازاروں میں

\-----------

پلٹ کے آگئی خیمے کی سمت پیاس مری
پھٹے ہوئے تھے سبھی بادلوں کے مشکیزے

\-----------

کبھی جو غم نے گھڑی بھر کو تھک کے سانس لیا
میں خوش ہوا کہ شب ہجرِ یار ڈھلنے لگی

شہیدِ مقتلِ کرب و بلا کا ضبط نہ پوُچھ

کہ ضربِ خنجرِ قاتل بھی ہاتھ مَلنے لگی!

کشش سفر کی تہہِ آب بھی جُدا نہ ہوئی
ندی کی ریت مرے ساتھ ساتھ چلنے لگی

بتا رہی ہے تھکن موج موج کی محسنؔ
صدف کی تہہ میں کوئی بوند پھر سے پلنے لگی

کتنا چپ چاپ ہے ماحول مری بستی کا
ماتمی خانہ بدوشوں کے بسیروں جیسا

کیا کہیں اب کے عجب عشق ہوا ہے محسنؔ
سرد شاموں کی طرح، گرم سویروں جیسا

مقروضِ غمِ دیدۂ تر ہے ترا محسنؔ
مُدّت سے یوُنہی خاک بسر ہے ترا محسنؔ

شاید کسی رستے کی ہوَا تیری خبر دے!
اس واسطے مصرُوفِ سفر ہے ترا محسنؔ

جو دوستی نہیں ممکن تو پھر یہ عہد کریں
کہ دُشمنی میں بہت دُور تک نہ جائیں گے

میں اپنی رُوح کی پوشاک اُس کو پہنا دوں
مگر یہ شرط کہ وہ بھی تمام میرا ہو۔!

تیرے ہجراں سے تعلق کو نبھانے کے لیے
میں نے اس سال بھی جینے کی قسم کھائی ہے